ذوالحج 1435ھ

اکتوبر 2014ء

ماہنامہ

المرشد

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ .

Tent City of Mina in Saudi Arabia

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهَا (البیہقی والطبرانی)

حضرت معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا افسوس نہیں ہوگا بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزری۔

ہر سانس میں ہم اللہ کی بہت بڑی نعمتیں استعمال کرتے ہیں لیکن کیا اس سانس میں ہم نے اللہ کا شکر بھی کیا ہے، اس کا نام بھی لیا ہے؟ یہی سارے تصوف کا اصل ہے۔

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوف کیا ہے؟

اللہ کریم کی الوہیت کا انکار انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ ہر فلسفہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ کوئی آخری طاقت ہے جس نے سب کو پیدا کیا لہٰذا یہ عقل کی مجبوری ہے کہ اس کی الوہیت کا اقرار کرتی ہے۔ مشرکین بھی اللہ کو مانتے تھے مگر ساتھ اس کی صفات کو دوسری ہستیوں سے منسوب کر دیتے، اس کے شریک مقرر کر دیتے تھے۔ اصل مہم اللہ کی ربوبیت کا اقرار ہے۔ اللہ کو اپنی تمام تر ضرورتوں کا واحد کفیل مانتے ہوئے اسی ذات سے خوف اور اُمید رکھنا اصل ایمان ہے۔ اسی لیے یوم الست اللہ کریم نے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا کہ کل جب دُنیا میں رہو، بسو گے اور تمہاری ضرورتیں ظاہری اسباب سے جوڑ دی جائیں گی تو کیا اُن اسباب پر بھروسہ تو نہیں کرو گے؟ کیا کسی بادشاہ سے اُمیدیں تو نہیں لگا لو گے؟ کیا کسی کے خوف سے اس کے آگے تو نہیں جھک جاؤ گے؟ کیا بھوک سے تنگ آ کر چوری، رشوت، سود یا حرام تو نہیں کھاؤ گے؟

ہم سب نے اقرار کیا، بیشک آپ ہی ہمارے رب ہیں! لیکن جب دُنیا میں ہوش سنبھالا تو روح کے اس شعور کو بیدار نہ کیا، اس پر غفلتوں کے پردے ڈال دیئے، اُسے اللہ کے نام کے ذکر سے زندہ نہ رکھا تو نفس تو بہر حال بیدار تھا، آنکھیں لذتیں دیکھ رہی تھیں، نفس چکھ رہا تھا لہٰذا جہاں سے اس کی خواہشات کی تکمیل ممکن تھی اس نے وہ در پکڑا، یا جہاں سے اس کے مفادات کو خطرہ تھا، اس نے اس کے در پر سر جھکا دیا۔ اور یوں زندگی میں وہ وعدہ بھلا دیا جو یوم الست کیا تھا۔ روح کو اللہ کے نام کے نور سے منور کر کے، اس کے حواس بحال کرنا تا کہ وہ اپنے وعدے کا پاس رکھ سکے اور زندگی میں شرک سے پاک رہے، اس فن کا نام تصوف ہے۔ اس کے ماہرین مشائخ کہلاتے ہیں اور شاگرد سالکین کہلاتے ہیں۔

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

اکتوبر 2014ء، ذوالحج/1435ھ

جلد نمبر 36 شمارہ نمبر 2

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
کلام شیخ	سیماب اویسی	5
اقوال شیخ	انتخاب	6
طریقہ ذکر		7
اسلام کا مقصد حیات	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی	15
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی	20
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی	30
حقہ نوشی	مولانا محمود خالد، بہاولپور	36
فضائل صبر	مولانا اشرف علی تھانویؒ	41
خواتین کا صفحہ	اُم فاران، راولپنڈی	45
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	47
مسائی جمیلہ	عبدالحمید جمینہ، سیالکوٹ	50
The Objective of Supplication	Ameer Muhmmad Akram Awan MZ	54
A LIFE ETERNAL CH:21	Abul Ahmadain	57

بدل اشتراک

پاکستان 450روپے سالانہ، 235روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں اس دائرے میں اگر کراس ✕ کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا .... فَارْهَبُوْنِ (البقرہ:40)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ سورۃ بلحاظ نزول مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں یہود کا کافی تسلط تھا۔ قلعے اور جاگیریں بھی تھیں۔ کاروباری لحاظ سے بھی بہت بڑھے ہوئے تھے اور ان میں بڑے بڑے علما بھی تھے۔ نیز وہ اپنے آسمانی مذہب پر ہونے اور حق پر ہونے کے مدعی بھی تھے۔

لہٰذا اللہ کریم نے سب سے پہلے مومن کے اوصاف، پھر کافر اور منافق کے حالات بیان فرمائے پھر عمومی دعوت تمام انسانیت کو دی اور اب روئے سخن براہِ راست یہود کی طرف ہے جنہیں اولادِ یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ ان سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبی بنی اسرائیل میں ہوئے ہیں۔ باوجود دوسری نعمتوں کے یہی ایک نعمت کس قدر عظیم ہے کہ سلسلہ نبوت صدیوں تک اس قوم میں جاری رہا۔ جس کے طفیل انہیں دنیا کی عزت حتیٰ کہ حکومت تک نصیب رہی اور اُخروی کامیابی بھی۔ مگر ایک بات جو ہر نبی نے اپنی اُمت سے ارشاد فرمائی اور بنی اسرائیل میں بھی اول سے آخر تک سب انبیاؑ نے بتلائی نیز کتب سماوی نے اس کی اطلاع دی نہ صرف اطلاع بلکہ اس پر ایمان لانا اور اس کا اقرار بھی ارکان دین سے تھا اور اس کا منکر کافر۔

وہ یہ تھی کہ حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیا معبوث ہوں گے۔ جب قبل بعثت اُن کا ماننا ارکان دین میں سے ہوا تو پھر بعثت پر ایمان لانا تو دین کی بنیاد ٹھہرا۔ لہٰذا تمہیں نہ صرف اس پر ایمان لانا ہوگا بلکہ ہر طرح سے ان کی نصرت کرنی ہوگی اور یہ لوگ قبل بعثت تک تو آپ ﷺ کی تشریف آوری کے منتظر رہے مگر بعثت پر انکار کر بیٹھے تو فرمایا، اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ۔ یعنی جو وعدہ نسلاً بعد نسل میرے ساتھ کرتے چلے آئے ہو اب پورا کرو۔ اس پر قائم رہو تو میں بھی اپنا وعدہ کہ تم دنیا و آخرت میں عزت پاؤ گے پورا کروں۔ مگر یہ صرف اس صورت میں ہو سکے گا کہ تم مجھ سے ہی ڈرو۔ اگر تمہاری اُمیدیں میرے سوا، دوسرے سے وابستہ ہوں گی اور اس کی ناراضگی کا اندیشہ رکھو گے تو پھر اُسی کی پسند پر بھی چلو گے۔

اداریہ

مرکزیت

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط

اور اللہ کا لوگوں پر حق ہے کہ جو اس (گھر) تک جانے کی استطاعت رکھے اس گھر کا حج کرے۔ (ال عمران: 97)

شہر مکۃ المکرمہ دنیا کے نقشے پر طول البلد (Longitude) 39.8°E ڈگری اور عرض البلد (Latitude) 21.5°N ڈگری پر واقع ہے اور اگر ہمیں زمین کے نقشے پر خشکی کے حوالے سے انسانی آبادی کا مرکز دیکھنا ہو تو خطِ استوا (Equator) جو کہ انسانی آبادی کے مرکز سے 40 ڈگری جنوب اور 80 ڈگری شمال کے درمیان ہے، اس سے 20 ڈگری شمال کی طرف بڑھنا ہوگا۔ اسی طرح زیرو ڈگری خط طول البلد جو کہ گرین وچ کے مقام سے گزرتا ہے کو انسانی آبادی کے مرکز کے لحاظ سے دیکھنا ہو تو 40 ڈگری مشرق کی طرف بڑھنا ہوگا۔ اگر اس نقطہ نظر سے انسانی آبادی کا مرکز دیکھیں تو وہ مکۃ المکرمہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ آسمان و زمین کی پیدائش کے زمانے میں پانی کی سطح سے سب سے پہلے کعبہ کا مقام نمودار ہوا پھر اس کے بعد زمین اس کے نیچے سے پھیلائی گئی۔ (معرفت کعبہ)

اللہ پاک نے ہم پہ احسان فرمایا کہ اتنی اہمیتوں والا مرکز اپنی ذاتی تجلیات کے لیے مخصوص فرما کر سربسجود ہونے کا حکم فرمایا اور امت مسلمہ کی تربیت کے لیے رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ذات عطا فرمائی اور ذوالحج کا ایسی برکتوں والا مہینہ عطا فرمایا کہ حاجی کا حج قبول ہونے کی صورت میں نبی اکرم ﷺ نے یہ نوید ارشاد فرمائی کہ انسان حج سے اس طرح (گناہوں سے) پاک آئے گا جیسا کہ اس دن آیا تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا آج ہم اپنے معاشرے میں دیکھیں تو کتنے ہی ایسے چہرے نظر آتے ہیں جنہیں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اور جنہیں یہ موقع نہیں ملا ان کی اکثریت بھی اسی حاضری کی تمنا رکھتی ہے مگر جب معاشرے کا اجتماعی کردار دیکھا جائے تو دل دکھتا ہے۔ ہر طرف نفسانفسی کا عالم ہے۔ نہ جان محفوظ، نہ مال اور نہ عزت۔ اگر مزید باریک بینی سے مملکت پاکستان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو دیکھا جا سکتا ہے کہ ہمارے ایمان و کردار کی کمزوری نے مملکت خداداد کو کتنا نقصان پہنچایا ہے اور ہم کتنے کمزور ہو چکے ہیں کہ دشمن قوتیں ہمارے ملک پر اس حد تک اثر انداز ہوتی ہیں کہ امن و استحکام کی طرف ایک قدم اُٹھانا بھی محال ہو چکا ہے۔ اب یہی دیکھ لیں کہ کتنے منظم طریقے سے اسلام کے نام پر دہشت گردی کی جا رہی تھی اور جب افواج پاکستان نے اس کا تدارک شروع کیا تو ملک سنوارنے کے نام پر سیاسی طور پر کس قدر انتشار پیدا کر دیا گیا ہے اور جب یہ دھرنے کسی انجام کو پہنچنے والے تھے تو پوری کوشش سے فرقہ واریت کو ہوا دینا شروع کر دی گئی ہے۔

ان حالات کا حل اگر اس ماہِ مبارک کی بابرکت ساعتوں میں تلاش کیا جائے تو بہت ہی خوب اور عمدہ ملتا ہے، یعنی حجۃ الوداع پر نبی کریم ﷺ کا خطبہ! جس کا ایک ایک لفظ نہ صرف وطن عزیز کے باسیوں بلکہ پوری کی پوری امت مسلمہ کو واپس اپنی مرکزیت یعنی اسلام پر جمع کر سکتا ہے کیونکہ قرآن و سنت ہی وہ واحد راستہ ہے جو انسان کو ذات کے خول سے نکال کر ذاتِ باری کے حضور سربسجود کر دیتا ہے اور اس قابل کر دیتا ہے کہ انسان اپنی ذات سے بلند تر ہو کر سوچنے لگتا ہے۔ اللہ پاک ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ہمیں قلب کی گہرائیوں سے اتباع رسالت مآب ﷺ کی توفیق عطا فرمائے۔

رات ڈرونی، گھپ ہنیرا، نظر نہ آوندے تارے
ہک ہکلا بیٹھا، سوچاں، یاد کراں دکھ سارے
ہر بیماری دا کوئی دارو، دکھاں دا کی ہووے
اوس بندے دا کیہڑا دارو جس آپ دکھ دیارے!

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر		نشانِ منزل
متاعِ فقیر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدہ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کہیے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضان نظر ہے۔ اور ان کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا"۔

فیضانِ نظر، متاعِ فقیر

نعت

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

اک ذرۂ خاک تھا میں دوشِ ہوا پر
تیرا احسان کہ میں ارضِ حرم تک پہنچا

کیا خوب وہ لمحہ وہ گھڑی اور وہ موسم
جب نورِ رسالت میرے دیدۂ نم تک پہنچا

گرداب معصیت میں گھرا میرا سفینہ
تیرے ہی کرم سے بحرِ کرم تک پہنچا

بے نور زمانہ تھا شب تار تھی ہر سو
گر کے انسان تھا پتھر کے صنم تک پہنچا

تیرا آنا شبِ تار کے جانے کی نوید
تو نے بانٹا تھا وہ نور جو ہم تک پہنچا

تیرے ہی وسیلے سے ملی ہم کو حیات
پیغامِ خداوندِ جہاں ہم تک پہنچا

واہ ابرِ کرم تیرا کہ صحرائے عرب سے
ہے نور فشاں دیکھ عجم تک پہنچا

سیمابؔ میں تاب تیرے نام سے آئی
ورنہ یہ ڈوب کے تھا، بحرالم تک پہنچا

"حمد و نعت" سے اقتباس

اقوالِ شیخ

1۔ جو کام بندے کی بقاء کے لیے ضروری ہے اسے اللہ نے فرض قرار دے دیا ہے لہٰذا فرائض بوجھ نہیں، اللہ کا احسان ہیں۔

2۔ اسلام انصاف کے معاملے میں دوستی دشمنی کا قائل نہیں، حق و ناحق کا قائل ہے۔

3۔ ہر وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت میں کیا جائے وہ نور ہے۔ یہ وہ نور ہے جو لوگوں کے پاس پل صراط پر ہوگا۔

4۔ دُنیا اور آخرت کے ہر دکھ کی دوا درود شریف ہے۔ یہ وہ وظیفہ ہے جو دُنیا و آخرت کے ہر کام کے لیے کافی ہے۔

5۔ ہدایت سے مراد زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جو اللہ کریم کا پسندیدہ ہو اور جس کا حکم اس نے دیا ہو۔

6۔ محض اچھی اچھی، بڑی بڑی باتیں کرنے سے انسان بدل نہیں جاتا، جب تک دل ساتھ نہ دے، دل کے ذاکر ہونے کی پہچان باتیں نہیں کردار ہے۔

7۔ صحت عقیدہ، سب بھلائیوں کی بنیاد ہے۔ اگر عقیدہ درست نہ ہو تو عمل کی اصلاح کی اُمید ہی فضول ہے۔

8۔ جو لباس پہن کر آپ کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے، وہ لباس پہن کر صلوٰۃ ادا نہ کریں ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔

9۔ بیت اللہ کی ایک نماز جہاں ایک لاکھ کا ثواب پاتی ہے وہاں ایک نماز چھوڑ دینا گویا ایک لاکھ نماز کا ثواب ضائع کرنا ہے۔

10۔ حج میں جھگڑے سے بچنا اور پوری کوشش سے بچنا ضروری ہے جس کی ایک ہی صورت ہے کہ نگاہ صرف بیت پر نہ ہو بلکہ صاحب بیت کی عظمت سے دل منور ہو۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہوجائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہوجائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

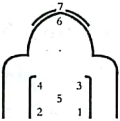

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جارہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کرکے ذکر کیا جاتا ہے۔

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خودبخود شروع ہوجاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جاٹکرائے۔

بیان: 21 جولائی 2014

اسلام کا مقصد حیات

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ [1] ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ [2] الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [3] (سورۃ البقرہ)

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ۔

دُنیا میں ہر قوم کے پاس ایک طرزِ حیات ہے، ایک مقصدِ حیات ہے۔ یہ دو چیزیں دُنیا میں ہر قوم کے پاس ہیں اور اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب دُنیا میں رائج ہیں ان کا مقصد حیات ایک ہے، طرز حیات مختلف ہیں۔ لباس مختلف ہیں، زبانیں مختلف ہیں، رات اور دن کے اوقات مختلف ہیں۔ لیکن تمام اختلافات کے باوجود تمام اقوام عالم کا مقصد حیات ایک ہے اور وہ ہے دنیا حاصل کرنا، دنیا کی سہولتیں اور لذات حاصل کرنا۔ حد تو یہ ہے کہ ہر قوم کے پاس ایک تصور عبادت کا بھی ہے۔ کچھ رسومات انہوں نے عبادت کے نام پر جاری کر دی ہیں۔ کہیں دماغ کی گہرائی میں یہ حقیقت ہر قوم کے پاس ہے کہ کوئی ہستی ہے، کوئی ایسی طاقت ہے کہ جس نے اس جہاں کو پیدا کیا، جو اس جہاں کو چلا رہا ہے، وہ طاقت کون ہے، وہ کیا ہے؟ یہ ہر قوم کا اپنا اپنا ایک خیال ہے۔ وہ کس طرح خوش ہو سکتی ہے، راضی رہ سکتی ہے، ہماری مدد کر سکتی ہے، ہمیں دنیوی سہولتیں اور آسائشیں دے سکتی ہے، دولت اور اقتدار دے سکتی ہے، اس کے لیے انہوں نے کچھ رسومات تجویز کی ہیں جنہیں وہ عبادت کہتے ہیں۔ ان کی اُس عبادت کا حاصل بھی دنیا ہے، اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کافر کا دین بھی دُنیا ہی ہے۔ یعنی اگر وہ دینی رسومات ادا کرتا ہے تو اس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ دُنیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے اس سب سے ہٹ کر الگ طرزِ حیات بھی دیا ہے اور مقصد حیات بھی اور یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اسلام نے ایک پوری کتاب عطا فرمائی ہے جس میں سارا طرز حیات درج ہے۔ بنیاد سے لے کر، زندہ رہنے سے لے کر، رزق حاصل کرنے، خرچ کرنے تک کے لیے ہدایات دے دی ہیں۔

اپنوں بیگانوں سے، بڑوں چھوٹوں سے تعلقات اور معاملات کرنے کی ساری تفصیل دے دی ہے۔ اس کے ساتھ یہ ضمانت بھی دی ہے، ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ، کہ یہ ایسی عظیم کتاب ہے کہ جس کے کسی لفظ، کسی جملے، کسی فقرے میں کسی حقیقت میں جو اس نے بیان کی ہے ادنیٰ سے شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سراسر حقیقت ہے اور یہ راہ حق پر چلاتی ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اُن لوگوں کو چلاتی ہے جن میں تقویٰ ہوتا ہے۔

عربی بہت وسیع المعانی زبان ہے اور اُس کا جو لفظ، جس جملے میں استعمال ہوتا ہے وہاں متعین ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی کیا ہے۔ بعض لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے یہ بھی سوال کر دیتے ہیں کہ کتاب تو متقیوں کی ہدایت کے لیے ہے اور جو متقی نہیں ہیں ان کا کیا ہوگا؟ اس کا جواب

بھی قرآن میں موجود ہے کہ یہ کتاب هُدًى لِّلنَّاسِ بھی ہے۔ جب هُدًى لِّلنَّاسِ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے راہنمائی۔ هُدًى کا مطلب راہنمائی ہے کہ ساری اولاد آدم کے لیے راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ راہنمائی فرمانا ایک کام ہے لیکن ہاتھ پکڑ کر اس راہ پر چلانا دوسرا کام ہے۔ اس کے لیے بھی لفظ هُدًى ہی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ دوسرا معنی مراد ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ اہل تقویٰ کو ایک سیدھی راہ پر، صاف ستھری راہ پر چلاتی ہے۔

یہ اہل تقویٰ کون ہیں؟ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ جو حقائق مادی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ غیب کی تعریف ہی یہی ہے۔ مَاغَابَ عَنِ الحَوَاس آدمی اپنے حواس سے جس حقیقت کو دیکھ نہیں سکتا، پا نہیں سکتا، سمجھ نہیں سکتا وہ اُس کے لیے غیب ہے۔ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ سب سے پہلی صفت تقویٰ کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر کلی اعتماد کرتے ہوئے جو حقائق آپ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں سب پر یقین محکم رکھتا ہو۔ اگر آخرت منکشف ہو جائے اور آخرت منکشف ہوگی۔ ایک دن تو یوم حشر بڑے بڑے کافر بھی کہیں گے کہ یا اللہ! ہمارے سامنے یہ حقیقتیں آگئی ہیں اب ہمیں دُنیا میں بھیج دے۔ ایک مرتبہ تو دیکھ ہم کس طرح تیری اطاعت کرتے ہیں، کتنی عبادت کرتے ہیں، کس طرح تیرے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ جنت اور دوزخ سامنے ہو تو کون بدبخت ہے جو دوزخ میں جانے کی کوشش کرے، جنت میں نہ جائے۔ یہی آزمائش رکھ دی گئی کہ ایک ہستی کو، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا معیار بنا دیا گیا کہ جو آپ ﷺ پر اعتبار کرتا ہو اس کا ایمان ہوگا جو نہیں کرتا اُس میں ایمان نہیں ہے۔ اب جس میں ایمان ہے یہ کتاب اُس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور سیدھے راستے پر چلانا شروع کر دیتی ہے۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ مقصد حیات کیا ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ 'یا' رویہ جسے آپ تہذیب، کلچر (Culture) کہتے ہیں، قوموں کا اندازِ زیست کیا ہے یعنی وہ کس انداز سے جی رہی ہیں۔ ہمیں اپنا ایمان پرکھنا ہے کہ مجھ میں کتنا ایمان ہے تو ہمیں دیکھنا یہ ہوگا کہ ہمارے کتنے معاملات قرآن کی دستگیری میں چل رہے ہیں اور کتنا وقت قرآن کی راہنمائی سے مختلف انداز سے چل رہا ہے۔ اگر ہمارے شب و روز، اپنے کام کاج، اپنا طرز حیات، منصب حیات بدل لیتے ہیں تو یہ دلیل ہے کہ اتنا ایمان ہم میں کم ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائے اور وہ مقبول فرمالے، ہر مسلمان ایمان کا دعویٰ کرتا ہے لیکن ایمان نام ہے قرآن حکیم کے مطابق عمل کرنے کا۔ اگر عمل نہیں کرتا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ایمان ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایمان ایک دعویٰ ہے کہ میں ایمان رکھتا ہوں، عمل اُس دعوے کا گواہ ہے۔ جب وہ عمل کرتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ واقعی اسے یقین ہے اور یہ اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اگر عمل اس یقین کے خلاف کرتا ہے تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ یعنی گواہی اور شہادت سے ثابت نہ ہو تو دعویٰ سچا نہیں ہوتا۔ پہلی صفت یہ ہے کہ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ اُن کے حواس، ان کے ادراک، ان کی پہنچ سے یہ حقائق باہر ہیں۔ نہ وہ ذات باری کو پا سکتے ہیں، نہ اُس کی صفات کو سمجھ سکتے ہیں نہ وہ فرشتے کو دیکھ سکتے ہیں نہ آخرت اُن کے سامنے ہے نہ جنت دوزخ ان کے سامنے ہے۔ سب چیزیں ان کی ذہنی اور مادی رسائی سے باہر ہیں، غیب ہیں لیکن وہ اس پر مکمل اور کامل یقین رکھتے ہیں، اس لیے کہ انہیں اعتماد ہے اللہ کے رسول ﷺ پر۔ یہی اعتماد علی الرسول ﷺ جو ہے یہ ہی قرآن کو قرآن بناتا ہے۔ قرآن کی صداقت کی ہمارے پاس کیا دلیل ہے؟ جب وحی نازل ہوئی تو دُنیا کے بہترین انسان صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے پاس موجود تھے، کسی نے نہیں سنی۔ وحی صرف ایک ہستی وصول کرتی تھی اور وہ تھے اللہ کے رسول ﷺ۔ اب ہمیں کیا پتا کہ وحی ہے کہ نہیں ہے؟ کسی نے آواز نہیں سنی، کسی نے فرشتے کو نہیں دیکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ وحی ہے تو ہر مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ وحی ہے، اللہ کا کلام ہے۔ بات تو آ گئی ناں اعتماد علی الرسول ﷺ کی۔ قرآن بھی وہیں سے وصول ہوا۔ اب قرآن پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری زندگی قرآن کے سانچے میں ڈھل جائے۔ یہاں اس میں جتنی کمی

آئے گی وہاں اتنا ایمان کمزور ہوتا جائے گا۔ انسانی مزاج ہے کہ ہم دوسروں کی فکر کرتے ہیں۔ یہ کیا کھاتا ہے، اس نے کیا پہنا ہوا ہے، اس کے پاس گاڑی کونسی ہے، اس کا عہدہ کیا ہے؟ اس سب کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ سارے سوال اپنے آپ سے کرنے چاہییں کہ، میں کرتا کیا ہوں، سوچتا کیا ہوں، کماتا کیا ہوں، کھاتا کیسے ہوں؟ کتنی راہنمائی قرآن میری کر رہا ہے؟ کہاں سے میں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے؟ قرآن نہیں چھوڑتا مسلمان کو ہم قرآن کو چھوڑ کر اپنی رائے پر چل پڑتے ہیں۔ جہاں جہاں ہمارے کردار میں یہ کمی آتی ہے، کہیں ہم کفار کی تہذیب اپنا لیتے ہیں، کہیں ہم اُن جیسا حلیہ بنا لیتے ہیں، کہیں ہم اُن جیسی بود و باش رکھنا چاہتے ہیں کہ اس سب کو اپنانا ہم فخر سمجھتے ہیں، جتنا جتنا ہم اُس طرف جاتے ہیں اتنا اتنا ہم سے قرآن کا دامن چھوٹتا جاتا ہے۔ شرعاً کسی لباس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ شریعت میں سترِ عورت فرض ہے۔ کسی لباس میں بھی سترِ عورت ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب کوئی لباس کسی قوم کا شعار بن جاتا ہے اُسے اختیار کرنا منع ہو جاتا ہے مثلاً ہندو دھوتی باندھتے ہیں ہمارے سارے مسلمان دیہاتی تہہ بند ہی باندھتے ہیں۔ لیکن ہندو درمیان سے پچھلا کپڑا اپکڑ کر اوپر کر لیتا ہے اور وہ شلوار نما سی ہو جاتی ہے۔ چادر باندھنا جرم نہیں لیکن ہندوؤں کی طرح کر لینا کہ جسے دیکھ کر کوئی سمجھے کہ ہندو ہے، وہ ناجائز ہے۔ یعنی کسی قوم کا ایسا شعار اختیار کرنا کہ دیکھنے والا اسے اس قوم میں سے سمجھے، یہ حرام ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا میرا لباس شریعت کے مطابق ہے۔ اسی طرح مقصدِ حیات سب سے بڑی بات ہے، یہ ساری چیزیں تب صحیح ہوتی ہیں جب مقصد متعین ہو۔ کفر کی دنیا کا مقصدِ حیات حصولِ دنیا ہے۔ دنیا کے عہدے، دنیا کی دولت، دنیا کی سہولتیں ہوں۔ اگر کلمہ گو کی زندگی کا مقصدِ حیات بھی یہی بن جاتا ہے تو اس کے کلمے کی کیا حیثیت ہے؟ کلمے کے دو جز ہیں اور یہ اسلام کا عجیب فلسفہ ہے، دنیا کا ہر فلسفہ اپنے آپ کو منوانا چاہتا ہے۔ اسلام پہلے منواتا نہیں، اسلام پہلے انکار کرواتا ہے لَآ اِلٰہَ کوئی معبود ہے ہی نہیں اگر یہاں رُک جائیں تو یہ کلمہ کفریہ بن جاتا ہے، کوئی معبود سرے سے ہے ہی نہیں۔ یہ اسلام کا اپنا فلسفہ ہے جب سب کی نفی ہو گی تو کہتا ہے کہ اب کہو اِلَّا اللّٰہ سوائے اللہ کے۔ یہ نہیں کہ دل میں بت بھی گھسے ہوئے ہیں، دل میں دنیا کی خواہش بھی گھسی ہوئی ہے، دل میں دنیا کی طلب بھی گھسی ہوئی ہے اور آپ کہتے ہو کہ میں اللہ کو بھی مانتا ہوں۔ اللہ کو مانو تو اللہ ہی کو مانو اس کے سوا کسی کی عظمت دل میں نہ ہو تو لَآ اِلٰہَ کوئی عبادت کے لائق نہیں اِلَّا اللّٰہ سوائے اللہ کے۔ یہ حقیقت آپ کو کہاں سے پتا چلی، آپ کون ہوتے ہیں۔ آپ پر وحی آئی؟ یا آخرت آپ کے سامنے ہے یا فرشتوں کو آپ دیکھ رہے ہیں یا جنت دوزخ کو آپ نے دیکھا ہے، عظمتِ الٰہی کا آپ نے کوئی نظارہ کیا ہے یا آپ نے اللہ کو دیکھا ہے؟ تو اس کا جواب آتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ مجھے محمد رسول اللہ ﷺ جو اللہ کے رسول ہیں، انہوں نے بتایا ہے۔ اب ساری بات یہاں آ گئی۔ یہ لباس، حلیہ یہ تو چھوٹی چیزیں ہیں اصل یہ ہے کہ جو مقصدِ حیات حضور ﷺ نے بتایا ہے وہ حق ہے۔ زندگی کا مقصد ہے کہ بلوغت سے لے کر وفات تک جب تک ہوش حواس قائم ہیں تب تک ہر کام تعمیرِ آخرت کے لیے کرنا ہے۔ آخرت صرف نوافل سے نہیں بنتی، صرف اعتکاف سے نہیں بنتی، یہ نوافل یہ تسبیحات، یہ مراقبات، یہ اذکار یہ آپ کا اعتکاف اس لیے ہیں کہ دل میں وہ پاکیزگی آئے کہ ہم مقصدِ حیات آخرت کو بنائیں۔ یہ بجائے خود مقصد نہیں ہے عبادات کا۔ عبادات کا مقصد یہی ہے کہ دل پاک ہو جائے، روح پاک ہو جائے، روح مضبوط ہو جائے، اللہ سے تعلق قائم ہو جائے اور ہماری زندگی تعمیرِ آخرت کے لیے ہو، ورنہ ہر سانس جو ہم لیتے ہیں اس کا بھی احتساب ہے اس کے لیے بھی اللہ کی دی ہوئی نعمتیں استعمال ہوتی ہیں۔ آکسیجن استعمال ہوتی ہے اگر آکسیجن کسی کمرے کسی جگہ سے روک دی جائے، ختم ہو جائے تو بندہ مر جاتا ہے۔ اُسے سانس لینے سے تو کوئی نہیں روکتا لیکن وہ زندہ نہیں رہ سکتا تو گویا ہر سانس میں ہم اللہ کی بہت بڑی نعمتیں استعمال کرتے ہیں لیکن کیا اس سانس میں ہم نے اللہ کا شکر بھی کیا ہے،

اس کا نام بھی لیا ہے؟ یہی سارے تصوف کا اصل ہے۔ اسی لیے صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ 'جو دم غافل سو دم کافر'۔ وہ ناشکری میں گیا۔ تو یہ کتاب ہدایت، اہلِ تقویٰ کو ہاتھ پکڑ کر چلاتی ہے جو غائبانہ اُن حقائق پر یقین رکھتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ جب وہ یقین حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کو دل چاہتا ہے پھر وہ عبادت چھوٹتی نہیں۔ اگر کسی کی ملازمت ہو اسے صبح چار بجے ڈیوٹی پر جانا ہو تو اسے کیوں نیند نہیں آتی، وہ تین بجے اٹھ جاتا ہے۔ نماز ادا کرنی ہو تو کیوں نیند آتی ہے۔ ڈیوٹی پر جانے کا اسے یقین ہے، نہیں جاؤں گا تو نوکری جاتی رہے گی۔ نماز کے اجر کا اُسے وہ یقین نہیں کہ پڑھی تو پڑھ لی نہ پڑھی تو پھر سو گئے تو یہ چیزیں بندے کو خود بتاتی ہیں کہ اُس کا ایمان کتنا ہے؟ ہم ساری زندگی پیمانہ لے کر دوسروں کے لیے گھومتے رہتے ہیں، حساب ہم نے اپنا دینا ہے دوسروں کا نہیں دینا اس لیے ان پیمانوں کو اپنی ذات پہ چسپاں کر کے، نافذ کر کے دیکھنا چاہیے۔ پھر یہی نہیں صرف عبادت کرتے رہتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ہم نے انہیں جو نعمتیں عطا کی ہیں انہیں اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں جو رزق انہیں دیا ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اب رزق میں ذات بھی ہے، وجود بھی ہے، جسمانی طاقت بھی ہے، عقل و شعور بھی ہے، دماغ بھی ہے، نظر بھی ہے، تمام قوتیں جو انسان کو ملی ہیں وہ ساری رزق ہیں۔ کسی کے پاس علم ہے تو وہ بھی اللہ کا رزق ہے، کسی کے پاس دولت ہے تو وہ بھی اللہ کا رزق ہے۔ کسی کے پاس جینے کی فرصت ہے سب اللہ کا رزق ہے، اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ انفاق ہوتا ہے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا۔ جو نعمتیں ہم نے انہیں دی ہیں انہیں میرے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ تو گویا یہ کس طرح کرنا ہے، تعلقات کی حدود کس طرح سے ہیں، کس سے کس طرح سے رشتہ رکھنا ہے، مومن سے تعلق کیسا ہوگا، کافر سے تعلقات کی حد کیا ہے؟ گھر میں، محلے میں، شہر میں، ملک میں، قوم میں کس طرح سے جینا ہے، کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا؟ گویا یہ ساری

زندگی جو ہے ایک طرح سے پابند ہو گئی، bound کر دی گئی کہ ہر کام جو کرے اس سے اُس کی آخرت کی تعمیر ہو کہ مقصد حیات پا سکے۔ کھانا کھاتا ہے، کھانے کے لیے رزق حلال کما کر لاتا ہے، پھر اُسے پاکیزہ رکھتا ہے، پکاتا ہے پھر اللہ کے نام سے ایک ایک لقمہ کھاتا ہے تو ایک ایک لقمہ تعمیرِ آخرت کر رہا ہے۔ صرف یہ نہیں کہ کھانا کھا رہا ہے تو اُس پر آخرت بن رہی ہے۔ اگر یقین میں کمی آگئی، جائز ناجائز، حلال حرام سمیٹ لیا، لذات بدن یا دنیوی لذات کو حاصل کرنے کے لیے کھایا پیا تو وہی سارا آخرت کو ضائع کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارا عمل جو ہم کرتے ہیں ہمارا ہر جملہ جو ہم بولتے ہیں، ہر سانس جو ہم لیتے ہیں، پلک جو ہم جھپکتے ہیں، دو میں سے ایک حال سے خالی نہیں۔ وہ یا تعمیرِ آخرت کر رہی ہے یا آخرت کا نقصان کر رہی ہے۔ مقصدِ حیات ہے حصول رضائے الٰہی ہے اور آخرت کی کامیابی۔ مومن کی زندگی کا مقصد تعمیر آخرت ہے اور اگر اس مقصد سے ہٹ جائے تو کوئی مقصد بھی ہو تو دنیا کی ساری اقوام کا کوئی نہ کوئی مقصد تو ہوتا ہے اور دین کے علاوہ سارے مقاصد صرف لذات کے حصول کے لیے ہیں۔ مسلمان بھی جو دین سے دور ہو جاتے ہیں، حلال حرام کی پروا نہیں کرتے، اللہ کی عبادت سے جی چراتے ہیں۔ دیکھ لیں اُن کا مقصد حیات بھی محض دنیا رہ جاتا ہے۔ آخرت کا تصور تو اُن کا اتنا ہے کہ کوئی مر گیا تو آٹھ، دس بندے بلا کر قرآن پڑھوا لیا کہ وہ بخشا جائے گا۔ بھئی جو بندے پڑھیں گے پہلے تو وہ پڑھنے والے ہی ہوں اور مشکل ہے کہ کوئی ثواب کمائے، اس لیے کہ سارے اجرت پر آتے ہیں۔ جس نے اجرت دی اس کے سارے پڑھنے کا معاوضہ ہو گیا جو انہوں نے پڑھا اس کی اجرت لے لی۔ ثواب بنا ہی نہیں، مردے کو کہاں ملے گا۔ جسے بخشنا چاہتے ہیں اسے کیا ملے گا؟ اگر کوئی فی سبیل اللہ کچھ پڑھ کر بخشتا ہے تو اس کا ثواب تو ملے گا لیکن ساری زندگی جو توڑ پھوڑ (damage) کرتا رہا کیا وہ اُن چند آیات سے مرمت ہو گا۔ ساٹھ سال، ستر سال، اسی سال، سو سال ہر ہر قدم پر جو نقصان کرتا رہا، ہر ہر قدم پر چرکے لگاتا رہا، ہر ہر قدم پر روح کو زخمی کرتا

رہا، جب سارا جسم ہی سراپا زخم بن جائے تو پھاہا کس کس پر لگایا جائے۔ جس نے اپنی حیات مستعار میں روح کے ہر ہر عضو، ہر ہر جگہ کو زخموں سے چور چور کر دیا ہے، آپ کس کس جگہ پھاہا رکھیں گے۔ پھر یہ جوش بھی چندے ہوتا ہے آخر ٹھنڈا ہو جاتا ہے، لوگوں کو بھول جاتا ہے۔ مرنے والا اپنی دنیا میں چلا جاتا ہے، زندہ اپنی دنیا میں مصروف ہو جاتا ہے۔

کچھ ایسے سادہ ہیں کہ مرنے والے کا برتھ ڈے (Birth day) مناتے ہیں۔ اب کسی کو یہ یقین نہیں ہے کہ مرنے والے کو جہاں وہ پہنچ گیا ہے Birth day کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں اس کو کس چیز کی ضرورت ہے، اس کی کوئی تعیین نہیں۔ کوئی مر گیا پھر اس کو دفن کیا اگر وہ ساٹھ سال کی عمر میں مرا تو اس پر ساٹھ کلو کا کیک بنائیں گے پھر اُس پر کوئی لڑ بھڑ کر کوئی منہ پر ملا، کوئی کپڑوں پر، چھینا جھپٹی کر کے کوئی منہ میں ڈالا تو اُس سے اُس کی آخرت پر کیا فرق پڑا؟ ہاں ہو سکتا ہے کہ اس سے جواب طلبی کی جائے کہ تم پیچھے یہ چیز سکھا کر آئے ہو، اپنی یہ روش چھوڑ کر آئے ہو، تمہیں یہ پسند تھا۔ ایسا ہم کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ ہمارا آخرت کا جو عقیدہ اور ایمان ہے وہ صاف نہیں ہے۔ یا پھر سال میں ایک برسی منالی، اس سے کیا ہوگا؟ کیا صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد اُن کی برسی منائی تھی؟ دین تو وہاں سے شروع ہوتا ہے ناں۔ جو فرصت تعمیر آخرت کے لیے ملی تھی وہ پوری کر کے جو کر سکتا تھا کر کے چلا گیا۔ اب آپ کے پاس ایک موقع ہے، اگر آپ کو اُس سے محبت ہے وہ آپ کا بیٹا تھا، باپ تھا، بھائی تھا، دوست تھا، عزیز تھا، یا آشنا تھا تو آپ کوئی نیکی کر کے، کوئی نیک عمل کر کے، تلاوت کرتے ہیں، نوافل پڑھتے ہیں، صدقہ خیرات دیتے ہیں، اس کا جو ثواب حاصل ہوتا ہے آپ کہتے ہیں یا اللہ! میرا یہ ثواب فلاں عزیز کے حساب میں لکھ دے اور یہ ضروری نہیں کہ جسے ثواب بخشا جائے وہ مر ہی گیا ہو، زندوں کو بھی دیا جا سکتا ہے کہ میری اس نیکی کا ثواب میرے اس بھائی کے کھاتے میں ڈال دے۔ اللہ اُس کے کھاتے میں ڈال دے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ ایصال ثواب مرنے والے کو ہی دیا جائے، زندہ کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ لیکن فرائض کا ثواب نہیں دیا جا سکتا وہ نیکی نفل ہونی چاہیے۔ فرائض تو آپ کی ذمہ داری ہے وہ تو پوری کرنی ہے اور جب نیکیوں پہ یقین ہوتا ہے اور اُن کا اجر ہوتا ہے تو بڑی پیاری لگتی ہیں۔ کوئی نہیں دیتا۔ کسی سے دس روپے مانگ لے کوئی، وہ دیتا ہے؟ اور یہ ایک ایک لاکھ کلمہ پڑھ کر بخش دیتے ہیں، اسے کہو ایک لاکھ دے دو، وہ دے دیتا ہے؟ جو ایک ایک لاکھ کلمہ شریف بخشتے ہیں وہ ایک لاکھ روپیہ دیتا ہے؟ اس کا مطلب ہے روپے کی اس کے پاس اہمیت (Value) ہے۔ کلمے کی قیمت کا اسے اندازہ ہی نہیں ایک پڑھا ہے چلو اسے بخش دو۔ ہمارے گاؤں میں ایک بوڑھا آدمی تھا ہر مرنے والے کو ایک لاکھ کلمہ بخشتا تھا۔ بوڑھا آدمی تھا ہر وقت تسبیح چلاتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ہفتے، دس دنوں میں چار پانچ سے زیادہ اموات ہو گئیں تو اس نے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ بخشا تو میرے ماموں ہوتے تھے اب تو وہ بھی فوت ہو چکے ہیں، اللہ سب پر رحم فرمائے۔ انہوں نے کہا کہ یار! یہ میرا خیال ہے کہ آٹھ دنوں میں کوئی پانچ بندے مر چکے ہیں یہ اتنے وقفے میں لاکھ کیسے پڑھ لیتے ہیں کہ ہر بندے کو ایک لاکھ بخشتا ہے۔ ماموں نے کہا چاچو! ادھر آئیں ناں ذرا، بتائیں کہ ایک ایک لاکھ کیسے بخشتے ہیں تو وہ کہنے لگا، پڑھتا ہوں تو بخشتا ہوں ناں! اس نے کہا، اچھا! ذرا یہ بتائیں لاکھ ہوتا کتنے کا ہے، یعنی لاکھ کی تعداد کیا ہے؟ تو اس نے کہا دس ہزار کا تو انہوں نے کہا تو پھر بخشتے رہو، یہ دس ہزار کا جو لاکھ ہے یہ بیشک بخشتے رہو۔

نبی کریم ﷺ آرام فرماتے تھے۔ آسمان صاف تھا اور عرب کی راتیں بہت مزے کی ہوتی ہیں یہ ہماری طرح ہمارے علاقوں کی طرح غبار اور گرد آلود نہیں ہوتیں۔ ریت ہے، ریت جم جاتی ہے فضا صاف ہو جاتی ہے اور ایک فرینچ (French) جس نے حضور ﷺ کی سوانح لکھی ہے، وہ لکھتا ہے کہ اگر آپ عرب مین رات رہ کر دیکھیں تو جب رات آتی ہے تو یوں لگتا ہے کہ بندہ ہاتھ بڑھا کر ستارے کو پکڑ لے گا۔ اتنے قریب، اتنے صاف، اتنے الگ الگ نظر آتے ہیں۔ حدیث

پاک کا مفہوم ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! یہ جس طرح آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے ہر ایک کی اپنی روشنی ہے جیسے بے شمار قندیلیں جلا رکھی ہیں، کسی کا اعمال نامہ بھی ایسا ہوگا جس میں اس طرح کی نیکیاں ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! عمر رضی اللہ عنہ کا اعمال نامہ ایسا ہے۔ انہوں نے عرض کی، حضور ﷺ میرے والد گرامی کا؟ حضور ﷺ نے فرمایا! انہیں تو ثور میں جو راتیں نصیب ہوئیں میرے ساتھ وہ ایک رات بھی ان تمام نیکیوں پر بھاری ہے۔

یہ بات صبح کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی۔ انہوں نے سوچا تین راتیں ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس، اس سے پہلے کہ انہیں حضور ﷺ کے اس ارشاد کا پتا چلے ان سے سودا کر لینا چاہیے۔ وہ علی الصبح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، کہنے لگے آپؓ میرے ساتھ ایک سودا کر لیں۔ انہوں نے فرمایا، کیا سودا کروں؟ نبی کریم ﷺ نے میرے بارے فرمایا ہے کہ جس طرح رات کو صاف آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے میرے اعمال نامے میں اس طرح نیکیاں ہیں۔ انہوں نے کہا مبارک ہو الحمد اللہ!۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے جی بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں یہ ساری نیکیاں آپ لے لیں اور ایک رات غارِ ثور کی مجھے دے دیں۔ آپ نے فرمایا، بھلا قرب کے وہ لمحات بھی کوئی دیتا ہے؟ میں نہیں دے سکتا، جب نیکی نیکی ہو اور اس کی لذت کا، اس کے مدارج کا پتا ہو تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا، وہ واحد ہستی ہے جس نے اپنی ساری دھن دولت اسلام پر قربان کر دی، ایسا سخی مرد جو مسلمان ہوا تو رئیس تھا، امیر المؤمنین بنا تو فقیر تھا۔ وہ ہستیؓ کہ جس نے تمام مسلمانوں سے بڑھ کر ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔ جس کے بارے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے بھی مجھ پر احسان کیا میں نے سب کے احسان اُتار دیئے مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صلہ اللہ دے گا۔ انہوںؓ نے کہا نہیں بھائی! میں تو اپنی رات کا ایک لمحہ نہیں دیتا تم رات مانگتے ہو؟ آپ اپنی نیکیاں لے جاؤ۔ جب نیکی کا پتا ہوتا ہے تو پھر نیکی کا دینا آسان نہیں ہوتا، ہمیں پتا ہوتا ہے کہ جو ہم نے بھی پڑھا اس میں بھی کچھ نہیں رکھا اس کا کیا بنا ہے اُسی کو دے دو، کیا ہوگا۔ رسم دنیا ہے نہ لینا نہ دینا۔ اللہ معاف کر دے وہ قادر ہے لیکن یوں ٹانکے لگانے سے بات نہیں بنتی کوئی ٹکڑا یہاں جوڑ دو کوئی وہاں، اس سے کوئی عمارت بن جائے گی۔ دس اینٹیں اس نے دے دی ہیں، ایک بالٹی سیمنٹ اس نے دے دیا ہے، ایک گھڑا پانی اُس نے دے دیا ہے تو کیا ہو جائے گا۔ بلڈنگ (Building) بن جائے گی؟ میاں یہ عمارت ہم نے ایک ایک دم کے ساتھ تعمیر کرنی ہے، ایک ایک سانس کے ساتھ تعمیر کرنی ہے، ایک ایک عمل کے ساتھ تعمیر کرنی ہے پھر ہمیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔ تو اسلام ایک مقصد حیات دیتا ہے اور وہ ہے تعمیر آخرت، حصولِ آخرت، حصولِ رضائے باری۔ اب سادہ سی بات ہے کہ نافرمانی میں تعمیرِ آخرت ہوگی یا اطاعت میں؟ کوئی اس میں لمبا چوڑا فلسفہ نہیں، کسی وسیع مطالعہ کی ضرورت نہیں۔ ظاہر ہے اطاعت ہی تعمیر کرے گی، نافرمانی تخریب کرے گی۔ اطاعت کی دس اینٹیں جو ہم نے جوڑی ہیں کوئی ایسی نافرمانی کریں گے کہ وہ ایسا توڑ پھوڑ (Damage) کرے گی کہ دس کے بجائے وہاں پندرہ کی جگہ خالی ہو جائے گی۔

''الابریز'' میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ سید عبدالعزیز دباغؒ اپنے وقت کے غوث تھے، اُن کے بھی ارشادات ہیں۔ وہ بھی دنیا میں پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن اللہ نے انہیں بہت وسیع علم اور بہت وسیع سینہ دیا تھا۔ علماء ان سے صحتِ حدیث لیا کرتے تھے۔ حدیث سنا کر کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں تو وہ بتا دیتے تھے کہ یہ ٹھیک ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ انہیں حدیث کے علم پر عبور تھا بلکہ کوئی حدیث پڑھتا تھا تو اس کے انوارات دیکھتے تھے کہ اس میں ارشادِ نبوی ﷺ کے انوارات ہیں یا نہیں ہیں۔ ان کے خادم جو تھے وہ بھی اپنے زمانے میں قطب کے عہدے پر فائز تھے، وہ اُن کے ارشادات جمع کرتے رہے تو ''الابریز'' نام سے ایک ضخیم کتاب بن گئی۔ اس میں ایک واقعہ لکھتے ہیں

کہ جہاں وہ رہتے تھے ان کے صوبے کا گورنر بڑا ظالم تھا۔ کسی بات پر خفا ہو کر بادشاہ نے اسے معزول کر دیا۔ اس کتاب کو مرتب کرنے والے اُن کے شاگرد بڑے خوش خوش حاضر ہوئے اور عرض کی۔ حضرت! اللہ نے بڑا کرم کیا ہے بادشاہ نے گورنر کو معزول کر دیا ہے، عہدے سے ہٹا دیا ہے، اس ظالم سے جان چھوٹی۔ انہوں نے ذرا سا توقف فرمایا اور فرمانے لگے، تم کہتے ہو معزول ہو گیا ہے لیکن میں نے نظر کی ہے تو جہنم میں اس کے لیے جو عذاب بن رہے ہیں ان میں تو اضافہ ہو رہا ہے تو معزول کیسے ہے، ظلم کر رہا ہے تو اضافہ ہو رہا ہے تو پھر وہ لکھتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو کسی سے پوچھا تو پتا چلا کہ اُسے بحال کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے اس کی آخرت دیکھ کر فرمایا کہ جو عذاب بن رہے تھے اس میں تو اسی طرح ترقی ہو رہی ہے تم کہتے ہو کہ معزول ہو گیا تو یہ رشتہ اسلام نے زندگی کا آخرت کے ساتھ استوار کیا ہے۔ مقصدِ حیات، حصولِ آخرت، اللہ کی رضا، اللہ کے نبی ﷺ کا اتباع اور طرزِ حیات اتباعِ محمد رسول اللہ ﷺ، یہ مسلمان کی نشانی ہے، یہ ایمان کی دلیل ہے۔ اب اگر یہ معیار ہمارے سامنے ہو تو ہم اپنا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں کہاں کھڑا ہوں ابھی ہمارے پاس الحمدللہ! فرصت ہے اگر پچاس ساٹھ سال سے ہم ایک نقصان کرتے چلے آ رہے ہیں، اب سمجھ آ جائے، خلوص دل سے توبہ کریں، آئندہ کے لیے اُسے چھوڑ دیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں، وہ سارا خلا میں پُر کر دوں گا، جتنا نقصان ہو چکا، میں اُس کی تلافی کر دوں گا۔ بہت بڑا اللہ کا انعام ہے، یہ مرمت کا موقع ہے یہ تعمیر کا موقع ہے، اپنی زندگی پر نگاہ کیجیے، دوسروں کے معاملے کو چھوڑ دیجئے۔ اپنی حیات پر نگاہ کیجیے۔ معتکف ہیں، مسجد میں بیٹھے ہیں، سوچیے کہاں کہاں بھول ہوئی، کہاں کہاں غلطی ہوئی، کتنا بڑا Damage کیا، کتنے بڑے نقصان کیے۔ خلوص دل سے توبہ کریں، سب مرمت ہو جائے گا اور آئندہ بھی توفیق عمل نصیب ہو گی۔ توبہ کی قبولیت کی دلیل یہ ہے کہ آئندہ سے گناہ ترک ہو جائیں اور اگر بار بار وہی گناہ کرتا ہے تو پھر وہ توبہ زبانی زبانی ہے، اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اللہ کریم شعور عطا فرمائے، توفیق عمل عطا فرمائے اور سب کا انجام بخیر کرے۔ (آمین)

(بقیہ مسائلِ جمیلہ: صفحہ نمبر 51)

دارالعرفان واپسی پر ہیڈ ماسٹر صاحب جو کہ حضرت شیخ المکرم مدظلہٗ العالی سے ملاقات کے لئے بہت بے تاب تھے مجھے فون کر کے بتایا کہ حضرت جی مدظلہٗ العالی کی صحت بھی ٹھیک ہے اور پروگرام سن کر بہت خوش ہوئے ہیں۔ میں نے اس فون کی کال میں جواب دیا کہ بھائی جان عبدالقدیر صاحب جو کہ بیرون ملک دورے پر ہیں ان کا بھی فون آیا تھا اور دورہ کی تفصیلات سن کر خوش ہو رہے تھے۔

میں آخر پر ایکننگ ناظم اعلیٰ بھائی ملک عبدالرقیب صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو اجازت دی اور ہیڈ ماسٹر صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بڑی جانفشانی سے اس پروگرام میں محنت کی۔

(بقیہ: بچوں کا صفحہ، صفحہ نمبر: 49)

نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تھا، نکاح مبارک بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھے اور ترویج دین کے لئے تھے۔ ان میں اور کیا کیا حکمتیں تھیں وہ بھی اللہ تعالیٰ جانیں یا اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ، ہماری جان، مال، اولاد آپ ﷺ پر قربان۔

ہجرت کا آٹھواں سال:

ہجرت کے آٹھویں سال جو غزوات و سرایا ہوئے اُن کے نام یہ ہیں، غزوۂ موتہ، غزوۂ ذات اسلاسل، غزوہ ذی الخلصہ، غزوہ حنین۔

فتح مکہ

آپ ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کی پیدائش۔

آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی وفات۔

بچو! اگلی دفعہ آپ کو فتح مکہ کا احوال تفصیل سے بتائیں گے کہ صلح حدیبیہ کو کس طرح اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کا سبب بنا دیا۔

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

سورۃ النحل، بنی اسرائیل

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

مراتب صبر حسب مراتب صابرین:

قولہ تعالیٰ: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ النحل: 127

ترجمہ: اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

"صبر کے بہت سے مراتب ہیں۔ صبر للہ، صبر فی اللہ، صبر مع اللہ، صبر عن اللہ، صبر باللہ (ان سب کی حقیقت اصل رسالہ عربی میں دیکھو) اور یہ صبر باللہ سب سے اکمل ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔"

تو فرمایا صبر کے بہت سے درجے ہیں جن میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے صبر باللہ، اللہ کے ساتھ صبر کرنا۔ اس لیے صبر کرنا کہ خیر ہے میرا اللہ میرے ساتھ ہے تو اگر یہ نقصان ہو گیا یا یہ لوگ مخالف ہو گئے یا یہ تکلیف آ گئی کوئی حرج نہیں۔ فرمایا یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس لیے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نازل کیا گیا ہے قرآن کریم میں۔

بنی اسرائیل

عبدیت کا اعلیٰ مقامات ہونا اور دال علی المعرفۃ ہونا اور مانع غلو ہونا:

قولہ تعالیٰ: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ (بنی اسرائیل: 1)

ترجمہ: وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو

"یہاں آپ کو صفت میں عبد فرمانا اس لیے ہے کہ عبدیت اشرف اوصاف ہے نیز اس میں سد باب ہے کہ آپ کے حق میں کوئی غلو نہ کرنے پاوے جیسا نصاریٰ نے اپنے نبیؑ کی شان میں کیا اور چونکہ اصل معنی اس کے ذل اور خضوع ہے اور یہ بعد معرفت کاملہ کے ہوتا ہے تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال معرفت پر بھی دلالت ہوئی۔"

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں کو سفر کرایا۔ تو فرمایا یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد کہا گیا در اصل عبدیت ہی بندے کے لیے سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ جتنے مراتب، جتنی محنت، جتنی عطا ہے اس میں یہ ہے کہ بندے کو حقیقی عبدیت نصیب ہو جائے تو تصوف و سلوک میں بھی بے شمار دوائر، بے شمار منازل اور بے پناہ فاصلے ہیں لیکن سب سے آخری دائرہ جو ہے وہ دائرہ عبدیت ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ عبدیت بندے کا اللہ کے ساتھ عبدیت کا ایک تعلق ہے، اللہ کی شان کی بھی کوئی انتہا نہیں اس کی عبدیت اور بندگی کی بھی کوئی حد نہیں جتنی جس کو جو کیفیات نصیب ہوتی چلی جائیں۔ حضرت جیؒ کا وصال دائرہ عبدیت میں ہوا ہے۔ میں نے صوفیاء میں سے چودہ صدیوں میں کسی ولی کو وہاں تک پہنچنے کا میرے علم میں نہیں ہے۔ نہ کسی کتاب میں پڑھا ہے، نہ دیکھا ہے، نہ ذوقاً ہوا ہے۔ تو یہ عبدیت جو ہے فرمایا یہ معرفت کاملہ پر دلیل ہے کہ کسی کو جتنی معرفت ہو گی اتنی عبدیت ہو گی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بے مثل و بے مثال ہے اور عبدیت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق ہے۔

تو بعض لوگوں کی عادت یہ ہے کہ بچہ پیدا ہو تو کہتے ہیں کہ قرآن سے نام رکھیں گے۔ بعض ایسے نام رکھتے ہیں جن کی کوئی تک نہیں بنتی، جیسے لوگوں نے بیٹی کا نام اسریٰ رکھا ہوتا ہے۔ اسریٰ کا معنی ہے رات کا سفر۔ کیا وہ چاہتا ہے کہ اس کی بیٹی رات کو اٹھ کر چلی جائے۔ کہتے ہیں یہ قرآن سے لیا ہے، سوچنا چاہیے کہ قرآن میں تو شیطان کا بھی ذکر ہے، کتے کا ذکر بھی ہے، قرآن میں تو خنزیر کا بھی ذکر ہے۔ قرآن

میں تو فرعون اور ہامان کا بھی نام ہے۔ کیا یہ نام کبھی رکھیں گے کہ قرآن میں ہیں، ویسے ایک شخص نے اپنے بیٹے کا نام عال رکھا ہوا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا یہ کیوں رکھا ہے تو وہ کہنے لگا کہ قرآن سے رکھا ہے۔ میں نے کہا قرآن تو کہتا ہے کہ "اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ "۔ فرعون زمین میں عال تھا بہت متکبر تھا۔ تم نے قرآن سے اچھی فال نکالی جو صفت فرعون کی ہے وہ بیٹے کا نام رکھ دیا۔

قرآن کریم سے نام ضرور رکھو لیکن اتنا کرو کہ ان کی آیت کریمہ کو پڑھ لو۔ اس کا ترجمہ پڑھ لو۔ اس کی تفسیر دیکھ لو کہ اس سے مراد کیا ہے۔ قرآن کوئی بچوں کے نام رکھنے کی کتاب نہیں ہے، قرآن اللہ کے احکام و فرامین ہیں اور سمجھنے اور عمل کرنے کی چیز ہے اگر کوئی برکت ہی کے لیے قرآن سے نام لیتا ہے تو دیکھ کر رکھے، جیسے عالیہ۔ بے شمار بچیوں کے نام عالیہ ہیں یہ عال ہی کی مؤنث ہے اور یہ بھی یہی کہتے ہیں کہ قرآن سے لیا ہے۔ قرآن میں عال متکبر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ عالیہ تکبر کرنے والی عورت کا نام ہے۔

زمان و مکان کے طے و نشر کا امکان:

قولہ تعالیٰ: لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا

(بنی اسرائیل: 1)

ترجمہ: شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک

"اتنی طویل مسافت کا اتنے قصیر زمانہ میں قطع کرنا کئی وجہ کو متحمل ہے۔ ایک یہ کہ مکان و زمان دونوں اپنے حال پر رہیں اور سیر میں اس قدر سرعت ہو اور ظاہر بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ زمانہ اپنے حال پر ہے اور طے مکان ہو گیا ہو۔ اور صوفیہ نے اور بعض فقہا نے اس کو اولیاء کے لیے بھی جائز کہا ہے تیسرے یہ کہ مکان اپنے حال پر رہے اور زمانہ میں بسط اور نشر ہو گیا ہو اور صوفیہ نے اولیاء کے لیے اس کو بھی جائز کہا ہے اور اس باب میں عجیب غریب حکایات ہیں اور اس طرح نشر مکان و طے زمان بھی خوارق ممکنہ سے ہیں اور صوفیہ ان کے بھی قائل ہیں۔ واللہ اعلم"

فرماتے ہیں اس کی مختلف صورتیں ہیں کہ بڑا طویل سفر تھا، جب لوگ پیدل سفر کرتے تھے تو مہینوں لگ جاتے تھے حضور ﷺ پل بھر میں وہاں پہنچ گئے، اس سے آگے معراج شریف پر تشریف لے گئے اور جب واپس تشریف لائے تو وقت وہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ تو فرماتے ہیں اللہ قادر ہے زمانے کو وہیں روک دے اور بندے کو لے جائے یا زمانے میں اتنی وسعت دے دے کہ کسی کو فرق ہی محسوس نہ ہو جس طرح چاہے وہ کرے تو فرمایا یہ صوفیہ کو بھی بطور کرامت نصیب ہوتا ہے اور اہل سلوک اسے طی الارض کہتے ہیں۔ ایک مراقبہ ہوتا ہے اس میں کوئی راسخ ہو جائے کوئی محنت کرے تو اسے یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ پل بھر میں یہاں سے ہزاروں میل دور پہنچ سکتا ہے وہاں سے آ سکتا ہے اس کو طے الارض کہتے ہیں اور صوفیاء اس کے قائل بھی ہیں اور اس کی بے شمار حکایات بھی ملتی ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ خواص ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے اس لیے کہ طے الارض کا کمال حاصل ہو جائے تو یہ کوئی قرب الٰہی کی دلیل تو نہیں ہے۔ یا خواص مشاہدے اور کشف کے لیے بھی محنت نہیں کرتے محنت کرتے ہیں منزل کے لیے چونکہ منازل دلیل رضائے حق ہیں۔ جس طرح جنت کے لیے محنت کرنے کا حکم ہے تو جنت اللہ تو نہیں جنت غیر اللہ ہے لیکن اللہ کی رضا کی دلیل ہے اس لیے حصول جنت کے لیے محنت کرنی چاہیے چونکہ وہ اللہ کی رضا مندی کی دلیل ہے۔ وہ غیر اللہ کے لیے نہیں اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ اسی طرح یہ مراقبات و منازل یہ رضائے باری کی دلیل ہیں۔ ان کے لیے محنت کرنا تو بہت اچھی بات ہے لیکن کرامات کے لیے مجاہدہ کرنا خواص کو پسند نہیں ہوتا۔ عموماً اولیاء اللہ اس پر محنت کرتے ہیں اور اس کو پا بھی لیتے ہیں کہ وہ پلک جھپکنے سے ہزاروں میل دور ہوتے ہیں اور پھر واپس بھی آ سکتے ہیں ایسا ہونا ممکن ہے اور صوفیاء اس کے قائل ہیں۔

طریق میں اپنے اوپر اعتبار کرنا:

قولہ تعالیٰ: وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ (بنی اسرائیل: 65)

ترجمہ: اور آپ کا رب کافی کارساز ہے

"روح میں ہے کہ اس پر دلالت ہے کہ انسان مواقع ضلال سے

بدون حفاظت حق تعالیٰ کے خود نہیں بچ سکتا''

فرماتے ہیں اللہ تیرا محافظ کافی ہے۔ فرماتے ہیں اس میں یہ دلالت ہے کہ گناہ سے بچانا اللہ کا کام ہے بندہ از خود نہیں بچ سکتا۔ بندے کو اللہ سے بنا کے رکھنی چاہیے۔ ہمہ وقت خود کو محتاج سمجھنا چاہیے۔ اپنے کو بندہ سمجھنا چاہیے حق تعالیٰ کو مالک سمجھنا چاہیے۔ اپنی خوبیوں پر فخر نہیں کرنا چاہیے اور اگر گناہ سے بچتا ہے تو اللہ کا احسان مانے کہ وہی مجھ کو بچا رہا ہے۔

یاد ماضی کو حجاب کہنے اور یاد ماضی کا خطاب کرنے میں تنافی نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ تَارَةً اُخۡرٰى

(بنی اسرائیل:69)

ترجمہ: یا تم اس سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ پھر تم کو دریا ہی میں دوبارہ لے جاوے۔

''یہاں شبہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو حالت ماضیہ یاد دلائی اور اہل طریق ماضی کی یاد کو حجاب کہتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اہل طریق کا خطاب ان لوگوں کے لیے ہے جن کی غفلت زائل ہو کر مشغول بحق ہو گئے ہوں اور یہاں خطاب اہل غفلت کو ہے تا کہ ان کی تمادی و غفلت دور ہو تو دونوں خطاب میں امر مشترک مشغول بحق کرنا ہے۔''

فرمایا بندے کو یہ یاد دلایا گیا کہ اگر کوئی مشغول بحق بھی ہے، اللہ اللہ بھی کر رہا ہے تو اس میں عجز دنیا زیادہ ہونا چاہیے یہ ہو کہ اللہ اسے دوبارہ پہلی حالت پہ لے جائے۔ وہ قادر ہے اگر گستاخی کرے گا یا تکبر کرے گا یا بڑائی کرے گا تو دوبارہ پہلی حالت پہ چلا جائے گا۔ ابھی کل میرے دفتر میں ایک ساتھی کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ الحمد اللہ میں ہی اسے سلسلے میں لایا تھا یہ 1963ء کی بات ہے۔ وہ بڑا عرصہ حضرت جیؒ کے قریب رہا۔ تب ترسیٹھ تھا، انیس سو سینتیس سال ہو گئے اور دس یہ کل سینتالیس سال ہو گئے۔ نصف صدی کی بات ہے۔ اور اب وہ آوارہ پھرتا ہے۔

نصف صدی کا قصہ ہے

دو چار روز کی بات نہیں

اب ذکر بھی نصیب نہیں کیسی عجیب بات ہے۔ یہ ہوتا ہے کہ اگر اپنے اوصاف پر فخر کرو گے تو وہ دوبارہ اسی حالت میں لوٹا دے گا جس میں تھے۔ جس غفلت سے نکل کر آئے تھے پھر اسی میں کھو جاؤ گے۔

ناز نہ کرے:

قولہ تعالیٰ: وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـًٔا قَلِيۡلًا ۝ (بنی اسرائیل:74)

ترجمہ: اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔

''یہ نص ہے اس میں کہ انبیاء کا حافظ حق تعالیٰ ہی ہے۔ بدون اس کے قوت قدسیہ کافی نہیں تو دوسرے کو تو اپنے تقدس و نسبتِ باطنہ پر ناز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں اور ممکن ہے کہ خود وہ نسبت بھی موہومہ ہی ہو۔''

فرمایا اللہ تعالیٰ انبیاء سے فرما رہا ہے کہ آپ سے جو غلطی نہیں ہوتی گناہ نہیں ہوتا یہ میں نے آپ میں صلاحیت رکھ دی ہے، عصمت رکھ دی ہے تو اگر نبیوں کا محافظ اللہ ہے تو ایک عام آدمی اپنی پارسائی پہ فخر کیوں کرے۔ اگر وہ واقعی نیکی بھی کرتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی توفیق ہے، اللہ کا شکر ہے پھر اس کو اپنی بڑائی نہ سمجھے۔

تقلب حالات میں التجا الی اللہ:

قولہ تعالیٰ: وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِىۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِىۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ (بنی اسرائیل:80)

ترجمہ: اور آپ یوں دعا کیجیے کہ اے رب مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو۔

''اسی طرح سالک کو تقلب حالات میں ہر وقت اس دعا کی حاجت ہے کیونکہ اس کو کچھ خبر نہیں کہ کون سی حالت اس کے لیے نافع ہے اور کون سی حالت مضر''

تو صوفی پر بھی کیفیات بدلتی رہتی ہیں قبض و بسط آتا رہتا

ہے۔کبھی مشاہدات کا دروازہ کھل جاتا ہے کبھی کچھ سمجھ نہیں آتی۔کبھی روح منازل طے کرنے لگتی ہے کبھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تو اس کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اے اللہ جہاں تک لے جاتا ہے تو ہی مجھے لے جا سکتا ہے، مجھے سلامتی سے لے جا اور جتنا سفر کرانا ہے تو ہی کرا سکتا ہے۔تو فرمایا اس سلوک میں یہ بات بنیاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا طالب رہے۔

تعلق مع الحق سے تعلق مع الخلق کا زائل ہوجانا:

قولہ تعالیٰ: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾ بنی اسرائیل:81

ترجمہ:اور کہہ دیجیے کہ حق آیا اور باطل گیا گزرا ہوا۔واقعی باطل چیز تو یوں ہی آتی جاتی رہتی ہے۔

''اخیر جملہ کا موقع تعلیل میں وارد ہونا اس پر دال ہے کہ آیت ہر حق اور ہر باطل کو عام ہے۔اس میں باطنی نور وظلمت بھی داخل ہو گئے اور حب اللہ اور حب الخلق بھی آ گئی۔''

فرمایا اللہ کی محبت حق ہے اور دنیا کی محبت باطل ہے۔تو صوفی کے لیے یہ بڑی دلیل ہے کہ جب اللہ کی محبت آتی ہے تو دنیا کی محبت کم ہوتی ہے۔دو محبتیں تو بیک وقت جمع نہیں ہوتیں جتنی ایک غالب ہوتی ہے اتنی دوسری کم ہوتی ہے۔اس کی ضرورتیں ختم نہیں ہوتیں۔وہ ضرورت مند رہتا ہے دنیا کماتا ہے لیکن اگر دنیا سے محبت کرے تو پھر تو جائز ناجائز حلال وحرام سب سمیٹتا رہے۔دنیا سے محبت ہو تو دنیا کماتا ہے لیکن حلال لیتا ہے حرام کو چھوڑ دیتا ہے اسے محض دنیا جمع نہیں کرنی اس نے اپنی حاجات پوری کرنی ہیں۔

تخلیہ وتحلیہ:

قولہ تعالیٰ: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۙ (بنی اسرائیل:82)

ترجمہ:اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفا ورحمت ہے۔

'' روح میں ہے کہ شفاء اشارہ ہے تخلیہ کی طرف اور رحمت اشارہ ہے تحلیہ کی طرف''

فرماتے ہیں شفا اشارہ ہے کہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے۔ تخلیہ صرف یہ نہیں کہ بندہ کوئی نہ ہو کمرہ خالی ہو تو بندہ اس میں بیٹھا ہو۔ بظاہر تو تخلیہ کا ترجمہ یہ ہے لیکن تخلیہ صوفی کا یہ ہوتا ہے کہ مخلوق میں بھی ہو تو اکیلا ہی ہو اللہ کے ساتھ ہو اور مخلوق کی پرواہ نہ ہو۔تو فرماتے ہیں رحمت اشارہ ہے تحلیہ کی طرف۔اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ہو اسے تخلیہ نصیب ہو جائے اور تحلیہ یہ ہے اسے اللہ کا ساتھ نصیب ہو جائے اور یہ حق کے آنے کی طرف اشارہ ہے۔کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت اسی کو کہتے ہیں کہ بے شمار مخلوق ہے لیکن وہ اکیلا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اکیلے بھی ہوتے ہیں تو دنیا کے بکھیڑے سوچ رہے ہوتے ہیں۔وحدت میں بھی ان کے ساتھ کثرت ہوتی ہے اور بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو کثرت میں ہوتے ہیں بے شمار مخلوق ہوتی ہے لیکن وہ اللہ کو یاد کر رہے ہوتے ہیں۔وہ اکیلے ہی ہوتے ہیں۔تو فرمایا صوفی کو یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ یہ دو نعمتیں اسے نصیب ہوں۔ ایک ہر حال میں اللہ کی یاد ہو مصروف ہو کام کر رہا ہے ''ہتھ کار ول دل یار ول'' کام کر رہا ہے اللہ اللہ کر رہا ہے۔لوگوں کے پاس بیٹھا ہے متوجہ الی اللہ ہے۔یہ تخلیہ ہوتا ہے۔اور دوسرا تخلیہ حصول الٰہی اور کبھی غفلت نہ آئے اور اگر غفلت آئے اور جیسے یاد آئے توبہ کر لے رجوع الی اللہ کرے اور پھر سے اپنا ذکر شروع کر دے۔

اسرار غیر ضروریہ کی کاوش کی مذمت:

قولہ تعالیٰ: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٥﴾ (بنی اسرائیل:85)

ترجمہ:اور یہ لوگ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں۔آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

''اس میں دلالت ہے کہ اسرار غیر ضروریہ کا تفحص مذموم ہے جب کہ اس آیت کا مدلول نہی عن السوال کہا جاوے جیسا کہ ظاہر ہے''

یعنی اس میں دلیل ہے کہ جو بھید ضروری نہ ہو اس کے تجسس میں نہیں پڑنا چاہیے وہ چیزیں پوچھنی چاہئیں جن پر عمل کرنا ہے اور غیر ضروری امور میں بحث نہیں کرنی چاہیے۔

سلب نسبت سے خوف:

قولہ تعالیٰ: وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

(بنی اسرائیل:86)

ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپ پر وحی پہنچی ہے سب سلب کر لیں۔

''اسی طرح اہل نسبت کو سلب نسبت سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ حضور ﷺ سے زیادہ کون ہے۔ جب آپ سے یہ خطاب ہے تو دوسرا کس حساب میں ہے۔''

فرمایا یہ نسبت جو عطا ہوئی ہے یہ اللہ کی نعمت ہے اور ڈرتے رہنا چاہیے کہ زبان سے کوئی ایسا جملہ نہ نکلے کہ اللہ اس کو سلب کرے۔ کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھوں کہ اللہ اس کو سلب کرے کیونکہ وہ قادر ہے گستاخی کوتاہی غلطی پر ساری نعمت سلب بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ وہ نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

تصحیح

پچھلے ماہ ستمبر 2014 کے شمارے میں کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں جن کی درستگی کر لی جائے۔

1۔ اداریہ میں الفتح کی جو آیت دی گئی ہے اس کا نمبر 18 ہے۔

2۔ اداریہ کے پانچویں پیرا کی پہلی لائن میں آپ ﷺ کی جگہ ''آپ رضی اللہ عنہ'' پڑھا جائے۔

3۔ صفحہ نمبر 12 دخل الزماں کے بعد 'بنا'' پڑھا جائے۔

4۔ صفحہ نمبر 22 میں پہلے کالم میں ''شَيْءٍ'' پڑھا جائے۔

5۔ صفحہ نمبر 22 کے دوسرے کالم میں آیت نمبر 82 میں ''اَنْ يَّبْلُغَآ'' پڑھا جائے۔

6۔ صفحہ نمبر 34 پر "اللہ جمیل ویحب الجمال" یہ صوفیہ کا مقولہ نہیں بلکہ حدیث پاک ہے۔

7۔ صفحہ نمبر 35 میں اصل عبارت یوں ہے "تعس عبد الدینار، تعس عبد الدرھم" حوالہ: عبرانی، المعجم الاوسط، جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۹۴، حدیث نمبر ۲۵۹۵

8۔ صفحہ نمبر 45 میں مصنف کا نام ''نوید اشرف، واہ کینٹ'' ہے۔

ضرورت رشتہ

لڑکی: عمر 24 سال، تعلیم بی اے، حافظ کا رشتہ درکار ہے۔

سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی۔

مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0300-6945297

ضرورت رشتہ

دو بہنیں جن کی عمر 27 اور 28 سال ہے، تعلیم ماسٹر کیا ہوا ہے، کے لیے سلسلہ عالیہ، خاص کر کراچی کے رہائشی اشخاص کا رشتہ درکار ہے۔

مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں۔

0300-3716792

0321-2492757

اکرم التفاسیر

سورۃ الحج آیات 30 تا 35

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی
حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

ذٰلِكَ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰہِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ
یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی (ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر فرمائیں) تعظیم
عِنْدَ رَبِّهٖ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی
کرے تو یہ اس کے پروردگار کے نزدیک اس کے لیے بہت بہتر ہے اور تمہارے لیے مویشی حلال
عَلَیْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ
کر دیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تم کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں، سو بتوں کی پلیدی سے دور رہو
وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿30﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ
اور جھوٹی بات سے دور رہو۔ صرف ایک اللہ کے لیے یکسو ہو کر، اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا کر۔ اور
بِهٖ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ
جو اللہ کے ساتھ شریک کرے گا تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا
الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ ﴿31﴾ ذٰلِكَ
اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ میں جا پٹکا۔ یہ بات ہے۔ اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یقیناً یہ
وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی
(فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے ان (قربانی کے جانوروں) میں تمہارے لیے ایک مقرر
الْقُلُوْبِ ﴿32﴾ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی
وقت تک فائدے ہیں پھر انہیں قدیم گھر (بیت اللہ) تک پہنچنا (اور ذبح ہونا) ہے۔ اور ہم نے ہر
ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿33﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا
اُمت کے لیے قربانی کا ایک طریق مقرر فرما دیا تا کہ جو مویشی چارپائے اس (اللہ) نے ان کو عطا
مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ
فرمائے ہیں ان پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام لیں سو تمہارا معبود ہے، اکیلا معبود تو اسی کے فرماں بردار
بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا
رہو اور عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں۔ وہ ایسے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر
وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ﴿34﴾ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ
کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو (مشکل) ان پر پڑتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں اور
قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِیْمِی
نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے
الصَّلٰوةِ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿35﴾
اس میں سے (بقدر توفیق اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَكَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ۔

فرمایا ذٰلِكَ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰہِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ احکام شرعی جتنے بھی ہیں، اُن میں یقیناً مادی اور دنیوی فوائد بھی موجود ہیں مثلاً اگر کوئی صلوٰۃ ادا کرتا ہے تو ساتھ اُس کے سارے بدن کے پاؤں کی انگلیوں سے لے کر گردن، آنکھوں تک کی ایکسرسائز بھی ہو جاتی ہے لیکن یہ سارے فوائد ضمنی ہیں۔ اگر کوئی اس غرض سے نماز پڑھے کہ میری ایکسرسائز ہو جائے گی تو نماز نہیں ہوگی۔ اللہ کے ہر حکم میں دنیا کے بے پناہ فوائد بھی ہیں لیکن اطاعت اس لیے کرنی ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ فوائد زائد ہیں، اللہ کریم کے انعامات ہیں۔ وہ شرط نہیں ہیں کہ یہ فائدہ ہوگا تو یہ کام کریں گے۔ فرمایا: ذٰلِكَ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ

اللہِ فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ ...... اللہ کریم کی جو چیزیں مقرر کردہ ہیں جواُن کا احترام کرتا ہے اس لیے کرتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ بنیادی بات مومن کے لیے یہ ہے کہ دلیل کیا ہے یا یہ کام کیوں کرتے ہو۔ سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے یہ میرے نبی کریم ﷺ نے مجھے پہنچایا ہے اور یہی طریقہ آپ نے سکھایا ہے تو ہر کام کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہونا چاہیے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے مقرر ہونا چاہیے۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بعض اُمور ہم اپنی طرف سے بڑھا لیتے ہیں کہ یہ بھی ثواب ہے۔ یہ بھی ثواب ہے، تو یہ دین میں دخل اندازی ہو جاتی ہے۔ جو کام شریعت، سنت سے ثابت نہیں اسے ثواب قرار دینا، باعث ثواب سمجھ کر کرنا بڑی زیادتی کی بات ہے، گناہ ہے اور بدعت ہے۔ اسی کو بدعت کہتے ہیں، اسی طرح بدعت بن جاتی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّار۔

ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔ دین کے معاملے میں بنیادی شرط یہ ہے کہ دین مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ ہے اور دین پوری زندگی کا نصاب ہے۔ ہر کام کے کرنے کا طریقہ شریعت میں، سنت میں موجود ہے کہ اسے اس طرح کرنا چاہیے اور مومن کے پاس کسی بھی کام کے باعثِ ثواب ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے۔ ورنہ یہ کیا بات ہے کہ کعبۃ اللہ پتھروں کا بنا ہوا ایک مکان ہے جس کے گرد آپ چکر لگا رہے ہیں تو یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ اتنا سفر کرتے ہیں، اتنی دور سے جاتے ہیں، اتنے اخراجات اُٹھاتے ہیں، سفر کی صعوبتیں اُٹھاتے ہیں تو کیا ہے وہاں؟ پتھروں کا ایک مکان ہے اُس کے گرد گھوم رہے ہیں تو کیا ہوگا؟ دلیل یہ ہے کہ اسے اللہ نے مقرر کیا ہے اور اللہ نے یہاں حاضری کا حکم دیا ہے کہ جسے توفیق ہو وہ یہاں اللہ کے لیے چکر لگائے۔ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ طواف کا حکم اللہ نے دیا ہے، لہٰذا ہم اللہ کریم کی اطاعت کر رہے ہیں اور احکام الٰہی کی یا جن چیزوں کی اللہ نے حرمت اور عزت و احترام مقرر کیا ہے جو اُن کا احترام کرے گا، اللہ کے نزدیک اُس کے لیے وہ بہت بہتر بات ہے، آخر واپس تو رب کریم کے پاس ہی جانا ہے۔ رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی بارگاہ میں جب حاضر ہوگا تو اطاعت کا انعام پائے گا۔

وَ اُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ اور دیکھو جانور بھی اُسی کی مخلوق ہیں۔ انہیں وجود اُس نے دیا، روح اُس نے دی، غذا وہ دیتا ہے، پیدا وہ کرتا ہے، پالتا وہ ہے لیکن تمہاری خدمت میں دے دیئے۔ کسی پر سواری کرتے ہو، کسی کو ہل میں جوتتے ہو، کسی سے مزدوری کراتے ہو، کسی کو ذبح کر کے کھاتے ہو۔ کمال ہے کہ وہی ذبح بھی کرے تو اُسے ثواب ہوتا ہے، جان تو جانور کی جاتی ہے ذبح آپ کرتے ہیں اور آپ کو ثواب ہوتا ہے۔ یہ انعامات الٰہی ہیں کہ انہوں نے وہ جانور جو تمہیں بتا دیئے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح کر دیئے، قرآن نے بیان کر دیئے کہ حرام ہیں، اُن کو چھوڑ کر باقی سب حلال ہیں۔ اسی لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بنیادی طور پر ہر چیز میں حلّت ہے۔ ہر چیز حلال ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ شریعت نے حرام کر دی ہے کیونکہ ہر چیز اللہ نے انسان کی خدمت اور استعمال کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ یہ اصول اسی طرح ہمارے عدالتی نظام میں بھی ہے کہ ہر آدمی شریف ہے جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ اس نے یہ خطا کی۔ ہمارا اب رویہ یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں ہر آدمی بے دین ہے، بدمعاش ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ شریف آدمی ہے۔ یہ اصول اور ضابطے ہم نے اُلٹ دیئے ہیں۔ اصل ضابطۂ شرعی یہ ہے کہ ہر بندہ بےقصور ہے، شریف ہے، نیک ہے جب تک اس کے کردار یا اُس کے اقوال سے ثابت نہ ہو جائے کہ یہ بدکار ہے۔

اسی طرح جانوروں میں تمام جانور حلال ہیں سوائے اُن جانوروں، پرندوں اور چرندوں کے جن کو اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے تو یہ اُس کا کتنا بڑا انعام ہے۔ وہ بھی تمہارے جیسی ہی مخلوق ہے، اللہ انہیں پیدا فرماتا ہے اور تمہیں اتنا اختیار ہے کہ اُن سے خدمت بھی لیتے

ہو حتیٰ کہ ذبح کر کے کھا بھی لیتے ہو۔ فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ اور ہمیشہ بتوں کی پلیدی سے، ناپاکی سے دور رہو۔ فَاجْتَنِبُوا اجتناب ہوتا ہے اُردو میں اجتناب کے معنوں میں وہ شدت نہیں جو عربی میں ہے، ہمارے یہاں ایک مرتبہ ٹی وی پر بحث ہو رہی تھی کہ قرآن میں دکھاؤ شراب کہاں حرام ہے یعنی کہ شراب کے ساتھ کہیں لفظ حرام لکھا ہوا دکھاؤ، ہم حرام کا معنی سمجھتے نہیں ہیں۔ حرام کے معنی یہ ہے جس چیز سے منع کر دیا جائے تو شراب کے لیے تو اللہ کریم نے

فَاجْتَنِبُوا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اجتناب، حرام سے شدید تر ہے، یہاں آیا ہے نا۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ تو اس سے مراد صرف یہ نہیں کہ بت کی پلیدی سے دور رہو، اجتناب یہ ہے کہ بت بنانے سے دور رہو، بتوں کے کاروبار سے یعنی جو چیز بت سے متعلقہ ہے وہ ساری حرام ہے۔ اسی طرح شراب کے ساتھ بھی لفظ اجتناب کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے شراب بنانا، شراب بنانے کے لیے انگور یا دوسری چیزیں اُگانا اور شراب بنانے کے لیے بیچنا، شراب پر مزدوری کرنا، شراب کو دوسروں کو اُٹھا کر پہنچانا، ساری چیزیں جو اُس سے متعلق ہیں وہ ساری حرام ہو جائیں گی۔ شراب 'حرام' ہے کا لفظ آتا تو اس کا مطلب تو یہ تھا کہ شراب کا پینا حرام ہے، صرف پینا حرام ہے۔ باقی شراب بیچنا، شراب اُٹھا کر کسی کو دینا، شراب پر مزدوری کرنا، شراب بنانا، یہ ساری چیزیں حرام نہیں ہیں۔ لہٰذا جب اجتناب کا لفظ آیا تو اس کے سارے متعلقات بھی حرام ہیں۔ یہی اجتناب کا لفظ یہاں بتوں کے ساتھ آیا ہے، اوثان کے ساتھ آیا ہے، معبودانِ باطلہ کے ساتھ آیا ہے تو معبودانِ باطلہ کے ساتھ رغبت رکھنا، انہیں بنانا، اُن کی شہرت کرنا، اُن کے کمال بیان کرنا، اُن کے قریب جانا، انہیں بیچنا، یہ ساری چیزیں حرام ہیں۔ بتوں کی پلیدی سے اجتناب کرو۔ گویا ہر وہ کام جس کا فائدہ کسی بت کو ہوتا ہو وہ پلیدی آ گئی بتوں کی اور ہر پلیدی سے اجتناب فرض ہو گیا، ضروری ہو گیا، قرآن کی نص سے ثابت ہو گیا۔ ان سے اجتناب کرنا ہے۔ اسی طرح وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ جھوٹ سے بھی اجتناب کرو۔ کوئی ایسا ذومعنی جملہ بھی نہ بولو جس سے اگلے کو دھوکہ لگے اور وہ جھوٹ میں مبتلا ہو جائے، جھوٹ کے سارے متعلقات سے اجتناب کرو۔ اس لیے بتوں کے ساتھ اس بات کو اس لیے جوڑا کہ شرک بھی ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ سب سے بڑا جھوٹ جو دنیا میں بولا جاتا ہے وہ اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اب کوئی بندہ جب جھوٹ بولے گا تو وہ شرک کی ہی چھوٹی موٹی قسم بن جائے گا نا! جھوٹ سے جھوٹ، کوئی نہ کوئی قسم، چھوٹی قسم، بڑی قسم، کوئی نہ کوئی قسم جھوٹ کی ہی بنے گا نا! وہاں بھی اجتناب کا لفظ استعمال فرمایا گیا کہ جھوٹ کے بھی ہر شعبے سے لاتعلق رہو۔ گفتار میں، کردار میں، نشیب و فراز میں، اُٹھنے بیٹھنے میں، تہذیب میں، اخلاق میں، کھانے پینے میں، کمانے میں، خرچ کرنے میں، کہیں جھوٹ کا شائبہ نہ ہو۔ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ ٹک سیدھے ہو جاؤ اللہ کے لیے۔ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ کا اُردو میں تو یہ ترجمہ لکھا ہے کہ اللہ کے لیے یکسو ہو جاؤ۔ سادہ زبان میں آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ٹک سیدھے ہو جاؤ، کوئی ٹیڑھ پن نہ رہے، غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ اور سیدھا پن یہ ہے کہ اللہ کی ذات یا اُس کی صفات میں کسی طرح کے کسی شرک کا کوئی گمان بھی نہ ہو۔ اللہ اللہ ہے، اللہ خالق ہے، اللہ رب العالمین ہے، اللہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے سب مخلوق ہے۔ مخلوق نہ اللہ کی ذات میں شریک ہو سکتی ہے، نہ اُس کی صفات میں شریک ہو سکتی ہے، اُس کی ذات بھی بے مثل و بے مثال ہے، اُس کی صفات بھی بے مثل و بے مثال ہیں۔ فرمایا: اس معاملے میں بڑی احتیاط کرو۔ بہت احتیاط کرو اور شرک ایسا جرم ہے کہ جو شرک میں گرا وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ اس کے پاس کچھ نہیں بچا۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ جس نے اللہ سے اُس کی ذات یا صفات میں کسی طرح کا شرک کیا۔ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آسمانوں پہ بستا ہو، دین اسلام اتنی بڑی عظمت ہے جیسے کوئی اس دنیا میں رہنے والا آسمانوں پہ بستا ہو، جس بندے کے خیالوں میں بھی اللہ بستا ہو، جس کے

دل کی دھڑکن میں بھی اللہ بستا ہو، جس کی نگاہوں میں بھی اللہ بستا ہو، جس کے بولنے چالنے، میل ملاپ، لین دین، کاروبار، سونے جاگنے، ہر جگہ اللہ کی حکمرانی ہو تو گویا وہ آسمانوں میں، فرشتوں میں بس رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے ایمان کی نعمت کا عطا ہونا اور توفیق اطاعت ہونا یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ ایسی نعمت ہے کہ جو اُس سے محروم ہیں گویا وہ زمین پر ہیں اور جو اُس کا حامل ہے وہ آسمان پر ہے لیکن اگر کبھی وہ اللہ کی ذات یا اُس کی صفات میں شرک کر بیٹھے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمانوں سے پھینک دیا جائے پھر مردار خور پرندے یا تیز ہوائیں اُسے اُٹھا کر کسی دور ویرانے میں جا پھینکیں اور اُس کے انجر پنجر کھل جائیں اور ٹکڑے ٹکڑے، ریزے ریزے ہو کر تباہ ہو جائے یعنی سب سے بڑا نقصان جس کا تصور ہو سکتا ہے وہ شرک ہے۔ ہم کوشش کریں کہ حلال کھائیں، ہم کوشش کریں کہ سچ بولیں، ہم کوشش کریں کہ عبادت کریں، فرائض کے علاوہ سنت کی بھی، نوافل کی بھی پابندی کریں، محنت کریں، مجاہدہ کریں، یہ سب اللہ کی عطا اور ترقی درجات کا سبب ہے لیکن کہیں ذات میں یا صفات میں شرک کا خیال آجائے تو بلندیوں سے پستیوں میں جا گرتا ہے۔ توحید کیا ہے؟ آسانیاں ہوں، رزق کی فراوانی ہو، تکبر نہ ہو، عظمت الٰہی کا خیال ہو، دکھ مصیبت آئے تو اللہ نے جس جائز طریقے سے علاج کرنے کی اجازت دی ہے جن کاموں کی اجازت دی ہے وہ کرے۔ اللہ کے احکام سے پریشان ہو کر دوسروں کے سامنے سجدے نہ کرنے لگ جائے۔ دوسروں سے اُمیدیں نہ وابستہ کر لے، زبان سے نہ بولے، دل میں بھی غیر اللہ سے اُمید وابستہ کر لی تو وہ تو جانتا ہے شرک تو ہو گیا اور شرک ایسی تباہی ہے کہ ایمان کو بھی کھا جاتا ہے اور ساری عبادتیں جو کر رہا ہے وہ بھی ضائع چلی جاتی ہیں۔ ایمان اور عبادات اور توفیق عمل ایسی نعمت ہے جیسے وہ چلتا پھرتا تو زمین پر ہے لیکن بستا آسمانوں پر ہے۔ ملائکہ کی صف میں جیتا ہے، فرشتوں کے ساتھ رہتا ہے اور اگر شرک ہو رہا ہے تو فرمایا، پھینک دیا جاتا ہے اور تباہ و برباد ہو کر بے نشان ہو کر مٹ جاتا ہے۔ اسی طرح ذٰلِكَ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ

اسی طرح جو اللہ کی نشانیوں کی عزت کرتے ہیں، ان کے دل میں پرہیز گاری ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ صفا اور مروہ کی دو پہاڑیاں بھی میرے شعائر، میری نشانیوں میں سے ہیں۔ اسی طرح احکام شریعت ہیں، اللہ کا گھر ہے۔ بیت اللہ کیا ہے؟ چند پتھروں کا ایک کچا کوٹھا، پھر اللہ نے اُس کو عظمت دے دی ہے، فرمایا: یہ میری تجلیات کا مہبط ہے اور کائنات میں میری عبادت کے لیے یہ قبلہ ہے یعنی کسی بھی چیز کی حرمت کا مدار اللہ کے حکم پر ہے، چیز کی ہیئت پر نہیں ہے جیسے صفا مروہ دو پہاڑیاں ہیں اور اُن میں کمال یہ ہے کہ حضرت حاجرہؑ پریشان ہو کر اُن پر دوڑیں۔ اللہ نے فرمایا جو بھی میرے در کی زیارت کو آئے گا اسی طرح ان پر دوڑے۔ اُس دوڑ سے اللہ کا کیا فائدہ ہو جاتا ہے، کیا مل جاتا ہے؟ فرمایا، اللہ کا تو کیا ہوتا ہے، اللہ تو بے نیاز ہے، دوڑنے والے کو بہت کچھ مل جاتا ہے۔ میں دوڑنے والے پر اس کی حیثیت کے مطابق اس طرح کی رحمتیں برساتا ہوں جس طرح کہ حضرت حاجرہؑ پر ان کی شان کے مطابق برسائیں۔ فرمایا، جن چیزوں کو اللہ نے اپنے دین کی نشانیاں بنایا ہے، احکام شریعت، شعائر اللہ، اتباع رسالت میں جتنے کام ہیں، یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ہر وہ کام ارشاد فرمایا جو اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا احکام شریعت۔ سارے احکام بھی، سارے وہ مقامات بھی جن کو اللہ نے عظمت دی ہے شعائر اللہ ہیں اور جو اُن کی تعظیم کرتا ہے وہ پرہیز گار ہے، تعظیم کیا ہے؟ قول اور عمل سے کسی طرح بھی اُس کی توہین کا کوئی پہلو نہ نکلے، نہ ایسا کوئی جملہ منہ سے نکلے جس میں اُس مقام کی توہین کا شائبہ ہو، نہ ایسا کوئی کام کرے۔ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ فرمایا، جو شعائر اللہ کی عظمت کرتے ہیں حقیقتاً یہی ہیں جن کے دل پرہیز گار ہیں، مدار قلوب پر ہے۔ اب قربانی میں جانور ذبح کرنے کا حکم دیا تو کیا جانوروں کے خون یا گوشت کی اسے کوئی ضرورت ہے؟ فرمایا، نہیں، مگر دل کا تقویٰ نصیب ہو جانا مقصود ہے۔

فرمایا: لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ اسی طرح قربانی کے جانور جو تمہارے ہیں، جو حاجی حج پر اُس کی قربانی کرتا ہے یا تم قربانیاں دینا چاہتے ہو، روئے زمین پر کہیں قربانی کرتے ہو۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں بھی عیدالاضحیٰ پر قربانیاں کیں تو روئے زمین پر مسلمان قربانی کی یاد میں جانور ذبح کرتے ہیں۔ کیا اُن جانوروں کو ذبح کرنا یا خون بہانا یا گوشت بانٹنا مقصد ہے؟ نہیں، فرمایا: اللہ کو تمہاری قلبی کیفیات مطلوب ہیں۔ کس دل سے کیسا جانور قربان کرتے ہو؟ ہم تو قربانی کے لیے خانہ پری کرتے ہیں کہ کسی کو رقم پکڑا دی۔ اس میں چاہے کیسا ہی جانور ملے بس رکن پورا ہو گیا۔ اُس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ قربانی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور آپ کا پسندیدہ ہو، خوبصورت ہو، جس کے گلے پہ چھری چلے تو آپ کے سینے میں کچھ محسوس ہو۔ ہمارے ہاں یہ ہے کہ ایک طبقہ تو ہم میں وہ ہے جو خانہ پری کرتا ہے۔ جیسا سستا بھی جانور ملے، وہ فقہ سے مسئلہ تلاش کر لیتے ہیں کہ دانت ٹوٹے ہوئے نہ ہوں، سینگ سلامت ہوں، کان کٹے ہوئے نہ ہوں اور ذبح کرنے کے مقام تک چل کر جا سکے، خواہ ذبح کا مقام دس قدم دور ہو تو وہ یوں شرط پوری کرتے ہیں کہ چلو قربانی تو ہو گئی، ٹوٹل تو پورا ہو گیا لیکن قربانی صرف جانور ذبح کرنا تھا یا اُس سے کوئی اجر بھی لینا تھا تو جب آپ نے کھوٹا سکہ دیا ہے تو اس پر وصول کیا ہو گا۔ قربانی کی بنیاد تو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے پر ہے۔ ہر عمل پر اُس عمل کی ایک خاص رحمت اللہ کی طرف سے متوجہ ہوتی ہے۔ اب جب ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو لٹایا ہو گا۔ اُن کی آنکھوں پہ پٹی باندھی، اپنی آنکھوں پہ پٹی باندھ لی کہ شفقت پدری درمیان میں نہ آئے۔ خوب تیز کر کے چھری انہوں نے گردن پر چلا دی۔ گردن کٹ گئی، خون کے فوارے اُبل پڑے، حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن کٹ گئی۔ پٹی کھولی تو دیکھا دُنبہ کٹا پڑا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کھڑے مسکرا رہے ہیں تو حیران و پریشان ہو گئے کہ میری قربانی کا کیا ہوا؟ مجھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا تھا تو فوراً وحی الٰہی آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (الصف:105) آپؑ نے جو خواب دیکھا تھا وہ سچ کر دکھایا اب یہ ہماری قدرت ہے کہ ہم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے دنبہ بھیج دیا۔ آپؑ اپنے دل میں اندازہ کریں کہ ایک باپ ہو، ضعیف العمری کی حدیں بھی پھلانگ چکا ہو، بڑھاپا حد سے گزر چکا ہو، اُسے حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا بیٹا نصیب ہو جو خود اللہ کا اولوالعزم رسول ہو پھر حکم ہو کہ اسے میری راہ میں ذبح کر دو پھر وہ آنکھیں بند کر کے تعمیل ارشاد میں اُس کی گردن پہ چھری چلائے تو باپ کے دل پر کیا گزرے گی۔

آپ جب ایک بکرا، ایک دنبہ، ایک گائے، ایک بچھڑا ذبح کرتے ہیں تو آپ پر وہ رحمت الٰہی متوجہ ہوتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی، ہم اس لیے قربانی کرتے ہیں کہ اس سنت پہ نبی کریم ﷺ نے عمل کیا۔ ہم نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کریں گے جو اللہ کے ہاں اتنی مقبول تھی کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اس سنت ابراہیمی پہ عمل کیا بلکہ ایک سال تو آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں سو اونٹ قربان فرمائے اور کہاں یہ بات کہ ہم ٹوٹل پورا کریں۔

ہم قربانی کر رہے ہیں یہ ایک نقدی ہے اس کے بدلے اللہ کے انعامات اور رحمت اور ثواب مل رہا ہے تو پھر جیسی نقدی ہے ویسا ہی سودا بھی ملے گا۔ دوسری طرف ہم قربانی میں یہ کرتے ہیں کہ پانچ پانچ لاکھ کا، سات سات لاکھ کا جانور اس لیے خریدتے ہیں کہ خواب واہ واہ ہو، دکھاوا ہو، نمود و نمائش ہو۔ اگر واقعی جائز وسائل سے کوئی بھی رقم خرچ کر سکتا ہے تو اچھی بات ہے۔ اگر آپ کے پاس پانچ لاکھ ہیں تو پانچ لاکھ کا ہی جانور خرید کر ذبح کریں لیکن اپنی شہرت کے لیے نہیں، اللہ کی رضا کے لیے۔ مجھے کوئی اچھا کہے یا بُرا، میں اللہ کی راہ میں جانور خوبصورت ذبح کروں گا، یہ تو بات ہوئی۔ اُس میں یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ جو اچھے جانور ذبح کرتا ہے وہ اُس طرف نہ نکل جائے کہ میرے لیے

بڑے Honour کی بات ہے کہ میں نے ڈیڑھ لاکھ کا ڈنبہ خریدا اور پانچ لاکھ کا بیل خریدا ہے۔ Honour کی بات نہیں، یہ ایک خوبصورت چیز آپ اللہ کی بارگاہ میں اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں، اُس کو راضی کرنے کے لیے، اُس کی رضا کے حصول کے لیے ہے۔ لہٰذا اسے رسم بھی نہ سمجھا جائے۔

ہمارے یہاں منارے میں ایک نام نہاد دانشور ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک بڑا لیکچر دیا کہ قربانی کے موقع پر جتنے جانور ذبح ہوتے ہیں اُن سب کی رقم جمع کی جائے تو ہر شہر میں ایک یونیورسٹی بن سکتی ہے۔ میں نے کہا اس فارمولے کے تحت رقم جمع کرنے کے اور بھی طریقے ہیں مثلاً یہ کہ یہ جتنے لوگ صاف ستھرے، قیمتی کپڑے پہنتے ہیں یہ سب جمع کیے جائیں تو میرا خیال ہے ہر گاؤں میں یونیورسٹی بن جائے گی۔ اسی طرح جتنا لوگ اچھا اور اعلیٰ کھانا کھاتے ہیں روزانہ بڑے بڑے گھروں میں اعلیٰ پکوان پکتے ہیں وہ بند کرا دیں تو ایک غریب گھر کا چھ مہینے کا راشن اُن کا ایک وقت کا کھانا ہوتا ہے تو یہ سارا جمع کیا جائے تو شاید گھر گھر یونیورسٹی بن جائے۔ حق یہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقام پر ہوتی ہے، پیسے خرچ کرنا یا پیسے بچانا مراد نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ کا قلبی تعلق، عظمت الٰہی کے ساتھ کیسا ہے اور کتنا ہے۔ آپ کس انداز سے اپنے پروردگار کو راضی کرنا چاہتے ہیں، آپ کیا پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے رب العالمین نے فرمایا، میرے نبیؐ نے تو جگر گوشہ پیش کیا تھا، تم کوئی دنبہ، بکرا ہی کر دو۔ اب جیسے خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا جگر گوشہ پیش کیا تھا۔ آپ بھی کوئی چیز ایسی تو پیش کریں جو آپ کو پیاری لگتی ہو، اچھی لگتی ہو اور اس لیے پیش کریں کہ میں سنت ابراہیمی علیہ السلام اور اپنے نبی ﷺ کی سنت پہ عمل کر کے اپنے رب کو راضی کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ خون گوشت کی ...... اللہ کی بارگاہ میں ضرورت نہیں ہے، وہ تمہاری قلبی کیفیات کو دیکھتا ہے کہ کس دل سے کیا پیش کر رہے ہو۔ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ایک وقت تک تم قربانی کے جانوروں سے بھی استفادہ کر سکتے ہو۔ شیر دار یعنی دودھ دینے والے ہیں تو دودھ پی سکتے ہو۔ سواری کے ہیں تو سواری کر سکتے ہو لیکن ایک خاص وقت تک۔ جب وہ حرم میں پہنچ جائیں۔ ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ اب اُن کی منزل اللہ کا گھر ہے۔ وہ گھر جو دوزخ سے رہائی کی نوید سناتا ہے، جس گھر کی شان یہ ہے کہ جو وہاں کیفیات قلبی سے، خلوص سے پہنچ گیا اُسے دوزخ سے رہائی مل گئی۔ بظاہر تو چار پتھر رکھے ہیں، ایک کمرہ ہے، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ دنیا میں بڑی بڑی عجیب وغریب عمارتیں ہیں ایسی عمارتیں ہیں کہ دیکھنے سے سر گھوم جاتے ہیں۔ یہ ایک کوٹھا سا ہے، دیہاتی سا، آج بھی وہ اسی طرح کچے پتھروں کا گھر بنا ہوا ہے۔ فرمایا، لیکن اس گھر کا کمال یہ ہے کہ یہ اللہ کا گھر ہے، تجلیات ذاتی کا مہبط ہے۔ یہ بیت العتیق ہے، عتیق ہوتا ہے، گردن کا رہا ہو جانا۔ فرمایا، جو یہاں پہنچا وہ دوزخ سے آزاد ہو گیا۔

وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (34) الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَ الصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (35)

فرمایا: یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تم پہلے افراد نہیں ہو جن سے دنیا آباد ہوئی ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کتنی قومیں، کتنی اُمتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں، کتنے لوگ نافرمانی کے جرم میں مر گئے، کتنے لوگوں نے اطاعت کا حق ادا کر دیا، کیسے کیسے لوگ، کتنے ذیشان اور باقوت لوگ دنیا سے گزر گئے، کتنے بے بس و بے کس گزر گئے۔ لیکن یہ یاد رکھو! ہر دین میں اور ہر قوم میں ہم نے ہر اُمت پر قربانی کا بھی ایک طریق مقرر کر دیا تھا۔ یہ بھی لازم ہے۔ جس طرح باقی عبادات ہیں، قربانی بھی اسی طرح ایک رکن ہے عبادت کا۔ قربانی بھی عبادت ہے اور اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی گئی۔ ہر اُمت کا ہم نے ایک طریق مقرر کر دیا تھا، عبادات کا بھی اور عبادات میں ہی قربانی بھی ایک عبادت ہے۔ ایک بہت بڑی عظیم الشان قربانی کی یاد دلاتی ہے۔ ایک بہت عظیم الشان واقعے کی یاد

دلاتی ہے۔ کوئی بیٹھ کر غور کرے کہ ضعف پیری میں اللہ کریم، حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا فرزند عطا کرے اور پھر جب وہ اُن کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے، توتلی توتلی زبان میں باتیں بھی کرے، پیار بھی کرے، ساتھ چلے تو حکم دیا جائے اسے میری راہ میں ذبح کردو۔ بندہ اگر بیٹھ کر سوچے تو اُسے سمجھ آتی ہے کہ کتنا مشکل کام ہے۔ اپنے شعور کے مطابق ہر بندہ سمجھ سکتا ہے۔ پھر وہ کیسا قادر ہے کہ ابراہیم کر گزرے، اُس نے انہیں بچالیا اور جنت سے مینڈھا بھیج دیا۔ ہم اپنی حیثیت دیکھیں، ہمیں تو کہیں لڑنا نہیں پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو پہلے گھر والوں سے، پھر حکمرانوں سے، قوم سے مقابلہ کرنا پڑا، پھر آگ میں پھینکے گئے، پھر ہجرت کرنا پڑی، پھر بے شمار مسائل تکلیفیں اٹھائیں اور ساری عمر آزمائشوں میں گزار کر ضعف پیری میں فرزند عطا ہوا تو پھر یہ آزمائش۔ پہلے حکم ہوا اسے وہاں چھوڑ آئیں تو وہاں ویرانے میں چھوڑ کر آگئے پھر جب پیارا سا بچہ توتلی توتلی زبان میں باتیں کرنے لگا تو فرمایا، اسے ذبح کردیں۔ یہ کوئی بیٹھ کر سوچے تو اُسے سمجھ آئے گی کہ قربانی کیا ہوتی ہے؟ پھر کیا اُس کا دل چاہے گا کہ خانہ پری کروں یا قربانی کروں تو قربانی کے لیے صحت مند خوبصورت جانور جو آپ کو پیارا بھی لگے، دیکھنے والوں کو اچھا بھی لگے اور جب آپ ذبح کریں تو تھوڑی سی تکلیف بھی ہو تو اللہ توفیق دے اور اللہ قبول بھی فرمائے۔ ہماری اکثریت تو یہ ہے کہ ہم محض رسم پوری کر دیتے ہیں اور یا دوسری طرف اللہ کی رضا کے لیے نہیں، اپنی نمائش پہ تل جاتے ہیں کہ میں نے اتنا بڑا جانور ذبح کیا۔ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جانور اچھا ہو، صحت مند ہو، خوبصورت ہو، پیارا ہو اور اللہ کی رضا کے لیے ذبح کیا جائے، اور یہ سارا جو اُس کا بیک گراؤنڈ ہے یہ سارا سین (Scene) ذہن میں لا کر کیا جائے۔ اسی لیے فرمایا کہ اچھا یہ ہے کہ قربانی کرنے والا اپنے جانور کو خود ذبح کرے یعنی بہتر یہ ہے کہ آپ بیشک کسی کو دیں کہ وہ چمڑا اُتارے، کاٹے لیکن اگر آپ کے لیے ممکن ہے، کر سکتے ہیں تو چھری خود چلائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود چھری چلائی تھی۔ ثواب زیادہ اُس میں ہے۔ پھر علماء فرماتے ہیں کہ اگر ذبح نہ کر سکتا ہو تو کم از کم پاس تو رہے۔ اپنے سامنے تو کرائے تو اللہ قبول فرمانے والا ہے۔ ہماری نقل کو بھی قبول فرمالے گا۔ اُس کا احسان ہے۔ ویسے ہم کرتے نقل ہی ہیں کہ چلو یہ کام بھی پورا ہو گیا۔ عبادات، خانہ پری کرنے کے لیے نہیں ہیں، عبادات حصولِ رضائے الٰہی کا سبب ہیں۔ قربانی تو سال میں ایک بار ہوتی ہے، ہم اکثر نمازیں بھی خانہ پری کرنے کے لیے پڑھتے ہیں۔ آئے، جلدی جلدی چھینٹے اُڑائے، کوئی جگہ خشک رہ گئی، کوئی گیلی ہو گئی، یہ وضو ہو گیا، مسجد میں آئے، رکوع میں گئے، وہیں سے سجدے میں گر گئے، قومہ چھوڑ دیا۔ سجدے میں گئے تو جلسہ چھوڑ دیا، دو ٹھونگیں ماریں، صلوٰۃ ختم۔ پتہ نہیں پیچھے کون بندوق لے کے لگا ہوا ہے کہ بھاگو دو منٹ میں فارغ ہو گئے۔ آرام سے پڑھو گے تو چار منٹ میں فارغ ہو جاؤ گے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل کر سگریٹ سلگا لیں گے یا اخبار لے کر کھڑے ہو جائیں گے، وہاں آدھا گھنٹہ ضائع کر دیں گے۔ تو بھئی اسی گھنٹے میں جو آپ نے سڑک پر کھڑے ہو کے گپ لگائی ہے، دس منٹ نماز کو دے دیں۔ تسلی سے پڑھیں، اس یقین سے پڑھیں کہ میں اپنی رہائش کے لیے اپنے کھانے پینے کے لیے، اپنے لباس کے لیے، اپنے مکان کے لیے سامان بھیج رہا ہوں وہاں جا کر میں نے ہی رہنا ہے اور اسے برتنا ہے۔ اب یہاں سے آپ کو کوئی کہے کہ آپ کو ہم فلاں جگہ منتقل کر رہے ہیں۔ اب اپنا سامان پہلے پیک کر کے بھیج دو تو آپ ٹوٹی ہوئی چارپائیاں، ٹوٹے ہوئے جوتے، پرانے کپڑے اور ٹوٹے ہوئے برتن بھیجیں گے اپنے لیے؟ تو بھئی عبادات تو یہ ہیں کہ اپنا سامان اپنے لیے جنت میں بھیج دیں وہاں جا کر رہنا ہے تو کیسا بھیجنا چاہیے؟ عبادات تو بڑے سکون، بڑی تسلی، بڑی تشفی سے ہوتی ہیں۔ اطمینان سے ایک ایک رکن کا دھیان کر کے ادا کرنی چاہییں۔

ہر قوم کے لیے یہ طریقے مقرر فرمائے گئے، قربانی کے بھی، عبادات کے بھی، ہر قوم کے لیے ایک منسک تھا، ایک طریق حیات

تھا، ایک طرزِ حیات تھا، ایک نظام تھا اور پھر تمہیں یہ شرف بخشا گیا۔ لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ہم نے جو تمہیں جانور دیے ہیں، اُن پر میرا نام پڑھو، میرے نام پر انہیں ذبح کرو، پھر وہ حلال ہیں پھر وہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اور یاد رکھو طے شدہ بات فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تمہارا معبود صرف ایک ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: لَا شَرِيْكَ لَهٗ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فرما دیجیے اللہ احد ہے۔ انگلی ایک کھڑی کرتے ہیں تو اسے بھی واحد کہہ سکتے ہیں۔ بظاہر تو یہ واحد ہے لیکن اس میں بہت سے اجزاء ہیں۔ ناخن بھی، کھال بھی ہے، گوشت بھی ہے، متعدد ہڈیاں بھی ہیں۔ احد اس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی جز نہ ہو وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہی نہیں، اللہ احد ہے، اس کا کوئی جز نہیں ہے۔ کوئی شریک، کوئی اُس کا ہم پلہ، کوئی دوسرا، الوہیت کا مستحق نہیں، کوئی ہے ہی نہیں۔ اللہ واحد ہے۔ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا صرف اُس کے سامنے سرِتسلیم خم کرو، اُس کی مان کے جیو، اُس کی مان کر مرو، اُس کے سامنے سرِتسلیم خم کر دو، اُس کی مانو۔

والدین کے لیے فرمایا کہ تمہارے محسن ہیں ان کی اطاعت کرو۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا اُن کے سامنے کوئی اونچی آواز میں بات نہ کرو اور دل میں بھی ان سے بیزاری کا خیال نہ لاؤ یعنی اتنی پابندی ہے کہ لَا تَنْهَرْهُمَا یہ تَنْهَرْ جو ہے یہ دل کا فعل ہے، دل میں بھی نفرت یا بیزاری نہ آئے، والدین کے لیے کہ یار یہ بوڑھے گلے پڑ گئے۔ منہ سے نہ بولے، فرمایا، دل میں بھی یہ نہیں آنی چاہیے، اُن کی خدمت دل و جان سے کرو۔ لیکن اگر وہ اللہ کے کسی حکم کی فرماں برداری سے روکیں تو وہاں والدین کی اطاعت ضروری نہیں، اللہ کی اطاعت ضروری ہے۔ اُن کا ادب اپنی جگہ، احترام اپنی جگہ، اطاعت اللہ کی ہو۔ اگر اُن کا حکم بھی اللہ کے حکم کے دائرہ کار میں ہوگا تو مانا جائے گا، اللہ کے حکم کے خلاف والدین کی بات بھی سنی نہیں جائے گی۔ فرمایا، فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ اُسی وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ کی بات مانو، اُس کے سامنے سرِتسلیم خم کر دو اور دنیا میں جو طریقِ حیات، جو نظام اُس نے دیا ہے اُس پر عمل پیرا رہو۔ ہر کام کو کرنے کا ہر شخص سے تعلق کا، ہر چیز کا سلیقہ اللہ نے دے دیا۔ اُس کے مطابق کرو تو تم اللہ ہی کی عبادت کر رہے ہو۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ آپ اللہ کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی سے اُس کی اطاعت کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں۔ وہیں دنیا میں انہیں بشارت دے دیجیے۔ یہ مخبتین اور اللہ کی اطاعت کرنے والے لوگ کون ہیں، کیسے ہیں؟ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ یہ ایسے عجیب لوگ ہوتے ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آ جائے، اللہ کی بات آ جائے، اللہ کا حکم آ جائے، اللہ کی تعریف کی جائے، اللہ کا ارشاد سنایا جائے تو یہ نہیں کہ وہ صرف کانوں سے سنتے ہیں۔ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ اُن کے دل بھی لرز جاتے ہیں کہ کس عظیم ہستی کا پیغام ہے۔ میں کتنی حقیر سی مخلوق ہوں، میری حیثیت کیا ہے۔ آپ یوں اندازہ کریں کہ کوئی سرکاری ہرکارہ یہاں آ جائے وہ آ کر ہم سب میں سے ایک بندے کو اُٹھا کر یہ کہہ دے کہ مجھے وزیرِاعظم صاحب نے بھیجا ہے اور آپ کے لیے یہ پیغام ہے تو پیغام کیا ہے کیا نہیں، اسے تو چھوڑ دیں محض وزیرِاعظم کی طرف سے کسی قاصد کا آنا اور ایک بندے سے اُس کی بات کہ وزیرِاعظم نے یہ پیغام دیا ہے، اس بات کی وہ کتنی اہمیت محسوس کرے گا، وہ کتنا پھول جائے گا، کتنا اُس کے دل میں خوشی آ جائے گی۔ کسی کو اللہ کریم کی طرف سے پیغام پہنچے تو اُس کے دل کا کیا حال ہونا چاہیے! ایسا تو تب ہوگا جب وہ اللہ کی عظمت سے آشنا ہو، فرمایا کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے سامنے جب اللہ کی بات رکھی جاتی ہے، اللہ کے احکام کی، اللہ کے دین کی، اللہ کی بات ہوتی ہے، وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وہ صرف کانوں سے نہیں سنتے، اُن کے تو دل بدل جاتے ہیں پھر اُن کا اللہ سے ایک ایسا رشتہ بن جاتا ہے۔ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ جب اُن پر کوئی مشکل آتی ہے تو اس لیے چپ کر جاتے ہیں کہ اللہ کو معلوم ہے میرا اللہ پہ بھروسہ ہے۔ دو صورتوں میں ہی تو بندے کی آزمائش ہے۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ

وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ (15) بے شمار نعمتیں دے دیتا ہے، عہدے دے دیتا ہے، پیار دے دیتا ہے، عزت و احترام اور مقام و مرتبہ دے دیتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے کہ یہ خود معبود بن بیٹھا ہے یا میری اطاعت کرتا ہے۔ آسانی میں، فراخی میں اپنے دل کی اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے یا میری۔

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ اور کسی کو آزماتا ہے تو اُس پر رزق تنگ کر دیتا ہے۔ صحت چھین لی، کمزور کر دیا، بیماری بھیج دی، روزی کم کر دی، بھوک و افلاس آ گیا، پریشانی آ گئی، عہدہ چھن گیا۔ جب یہ بات آتی ہے تو پھر بندے کا اللہ پر اعتماد کم ہو جاتا ہے، پھر وہ بھاگتا ہے لوگوں کی طرف، مختلف دروازوں کی طرف، کسی کی کاسہ لیسی، کسی کی خوشامد کرتا ہے۔ فرمایا، جو میرے بندے ہیں جب اُن کے سامنے میرا نام آتا ہے، ذکر ہوتا ہے، میری بات ہوتی ہے، اس کو سن کر اُن کے دل لرز اٹھتے ہیں، اُن کے دل رحمت الٰہی محسوس کرتے ہیں۔ اب یہ دل کیسے محسوس کرتا ہے، سارے جانتے ہیں، دنیا کے کاموں میں تو کہتے ہیں فلاں بات سنی میرا دل خوش ہو گیا۔ جب اللہ کے دین کی بات آئے تو کہتے ہیں دل میں کیسے آ گئی، دل نے کیسے ذکر کر لیا، دل نے کیسے سُن لی؟ عجیب بات ہے نا عجیب سوال ہے۔ ورنہ زندگی میں سارے کہتے ہیں جی میں نے وہ انعام جیتا میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا، میرا بھائی فوت ہو گیا میرا دل غم سے پھٹنے لگا۔ تیرے دل نے غم خوشی کیسے محسوس کی؟ دنیا میں تو کر لیتے ہو، دین کی بات آتی ہے تو کہتے ہو دل کا کیا کام؟ میرے بھائی اب تو جدید سائنس یہ کہتی ہے، دل سنتا ہے، دل دیکھتا ہے، دل سوچتا ہے، دل فیصلے کرتا ہے، دماغ جسم پر وہ فیصلے نافذ کرتا ہے۔ اعضاء و جوارح کو حکم دیتا ہے۔ دماغ کوئی فیصلہ کرے تو وہ دل کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ دل پسند کرے تو نافذ ہوتا ہے، نہیں تو وہ رد کر دیتا ہے اور دماغ خاموش ہو جاتا ہے۔ جو فیصلہ دل کرتا ہے، دماغ کو پسند آئے نہ آئے وہ نافذ ہو جاتا ہے۔ دماغ اس کے متعلق جسم کے اعضاء کو حکم دیتا ہے۔ اس لیے کہ حکمران دل ہے، دماغ اُس کے تابع ہے۔ وہاں بھی یہی بات کہی گئی، یہ کہ ان کے دل ڈر جاتے ہیں گویا پورا بدن خود ایک ملک ہے جس میں دس کھرب تو سیل رہتے ہیں۔ اس کے Cells کی آبادی دس کھرب ہے۔ پھر اُن سے مختلف اعضاء (Organs) بنے ہوئے ہیں۔ پھر ہر عضو (organ) کا فنکشن الگ ہے۔ پورا وجود صوبوں بلکہ ضلعوں میں، تحصیلوں میں بٹا ہوا ہے، ٹانگ ہے، پھر گھٹنے ہیں، پھر ران ہے، پھر پنڈلی ہے، اُس میں ٹخنہ ہے پھر پاؤں ہیں۔ پھر یہ پاؤں کتنے سیلوں میں بٹا ہوا ہے، بالکل ایک نظام سلطنت ہے، ایک ریاست کا نظام ہے۔ ہر جسم میں ایک کائنات بستی ہے۔ اللہ کریم چاہتے ہیں، اس انسانی وجود میں کائنات کا جو سربراہ ہے، وہ مجھ سے محبت کرے اُس پر میری عظمت غالب ہو تو ساری کائنات پر آ جائے گی اور وہ دل ہے۔ جب دل پر کیفیت آتی ہے تو اعضاء و جوارح بھی اُسی طرح کا کام کرتے ہیں جس طرح کا دل کہتا ہے اور جب ہم دعویٰ تو کرتے ہیں محبت الٰہی کا اور جھوٹ بولتے ہیں اور گناہ کرتے ہیں تو ہمارا دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے اگر وہ سچا ہوتا تو یہ سارا ملک اُس کے تابع ہو جاتا اور اگر ملک بغاوت کرتا ہے تو دعویٰ جھوٹا ہے تو فرمایا: مُخْبِتِيْنَ نیک وہ لوگ ہیں، اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کے سامنے جب اللہ کی بات آئے تو اُن کے دل لرز اُٹھیں، اُن کے جسم کے ملک کا سربراہ کانپ اٹھتا ہے اور وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کا حل اللہ کے بنائے ہوئے طریقوں کے مطابق ڈھونڈتے ہیں۔ بے صبر ہو کر غیروں کو سجدے نہیں کرنے لگ جاتے۔ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ اور وہ اللہ کی عبادات میں سرگرم ہیں۔ صلوٰۃ ادا ہی نہیں کرتے بلکہ قائم کرتے ہیں۔ ادائے صلوٰۃ اور ہے، اقامت صلوٰۃ اور ہے۔ صلوٰۃ کا ادا کرنا، صلوٰۃ کو قائم کرنا دو کام ہیں۔ ابھی جیسے تو ہم نے صلوٰۃ ادا کی، ہو گئی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! اقامت یہ ہے کہ ایک تو صلوٰۃ کی شرائط پوری کرے یعنی وقت پر آئے باجماعت پڑھے، وضو ٹھیک طریقے سے کرے، لباس پاک ہو، اچھا ہو۔

تیمور لنگ اپنی سوانح حیات میں لکھتا ہے کہ میں ایک شہر میں

تھا وہاں میں نے ایک عجیب بات دیکھی کہ جب صلوٰۃ کا وقت ہو گیا تو سب لوگوں نے لباس تبدیل کر کے بڑے خوبصورت کپڑے پہنے اور نکل پڑے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا آج عید کا موقع ہے؟ انہوں نے کہا سلطانِ معظم! ہم اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے جا رہے ہیں، مسجد میں جا کر نماز پڑھیں گے، باجماعت پڑھیں گے اور ہر نماز عید جیسی ہوتی ہے، اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، ہمارے گھر میں جو بہترین لباس ہے وہ پہنتے ہیں تو کہنے لگا، میں بھی صلوٰۃ کی تیاری کر رہا تھا لیکن مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ میں نے تو آج تک اس طرح سوچا ہی نہیں۔ پھر میں نے حکم دیا کہ میرے لیے ایک مسجد بناؤ جو جوڑی اور اکھیڑی جا سکے اور جو ہمیشہ میرے سفر پہ ساتھ رہے اُس میں ہمیشہ باجماعت صلوٰۃ ادا ہو اور میں نے اُس کے بعد ہر صلوٰۃ بہترین لباس پہن کر ادا کرنا شروع کی کہ یہ ٹھیک کہتے ہیں اللہ کے عجیب بندے ہیں۔ فرمایا، تم سے پہلی اُمتوں کا، ان سب کا طریقہ بھی یہ تھا، تمہارے لیے بھی یہی ہے۔ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں یعنی آپ ایک تو آپ خود نماز کے ارکان کی پابندی کریں اور ایک آپ کا طرزِ عمل ایسا ہو کہ دوسرے آپ کو دیکھ کر بھی نماز کی طرف راغب ہوں، ہمارے ہاں دیہات کی میں بات کرتا ہوں مجھے زیادہ تو پتا نہیں لیکن یہاں تو یہ ہے کہ پانچ سات عمر رسیدہ لوگ پکے نمازی ہوتے ہیں، باقی کسی نے عید پڑھ لی، کوئی جمعہ کو آ گیا۔ اب مسجد پہ اُن کا ایسا قبضہ ہوتا ہے کہ کوئی نیا نویلا، کوئی جدید فیشن زدہ لڑکا آ جائے تو پہلے تو اُس کے فیشن پر تنقید کریں گے، اس کے لباس پر بات کریں گے پھر اگر اُس کی داڑھی مُنڈی ہوئی ہے تو اس پر سرزنش کریں گے کہ تمہاری داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ یہیں بس نہیں کرتے پھر وضو پر تنقید ہوتی ہے کہ وضو کہاں بیٹھ کر کرنا ہے، پانی پر ٹوکیں گے، پھر نماز پر، حتیٰ کہ اسے بھگا کر دم لیں گے۔ یہ نہیں کریں گے کہ ایک نیا بندہ آ گیا ہے اُس کا احترام کریں، پیار سے اُسے سمجھائیں کہ یہاں یہ کام ایسا ہے، پانی وہاں سے ملے گا، وضو یہاں بیٹھ کر کرو وغیرہ۔ ہمارے یہاں اکثر ایسا نہیں ہوتا یہاں تو یہ حال ہے، پتا نہیں باہر کا کیا ہے؟ تو یہ اقامتِ صلوٰۃ نہیں ہے، یہ تو نمازیوں کو بھگانے والی بات ہے، اقامتِ صلوٰۃ یہ ہے کہ آپ کے طرزِ عمل سے دوسروں کو بھی تحریک ہو اور وہ بھی نماز میں شامل ہوں یہ اقامتِ صلوٰۃ ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور جو نعمتیں ہم نے اُن کو دی ہیں ان کو ہماری اجازت اور منشا کے مطابق خرچ کریں۔ کسی کے پاس عقل و خرد ہے، کسی کے پاس علم و عمل ہے، کسی کے پاس جسمانی قوت ہے، کسی کے پاس بڑا عہدہ ہے، کسی کے پاس خزانے ہیں تو کسی کے پاس دعائیں تو ہیں۔ کچھ بھی نہیں ہے تو نیک سوچ، دوسروں کی بھلائی کی سوچ تو ہے۔ جو چیز انسان کو ملتی ہے وہ اللہ کی دی ہوئی اور اُس کا رزق ہے۔ جو نعمت ہمارے پاس ہے، دیکھنے، سننے، جینے کی، ایک ایک سیل اُس کی طرف سے دیا گیا ہے۔ انفاق ہوتا ہے چیزوں کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا۔ یہ صرف دولت پر نہیں لاگو ہوتا، ہر وصف جو بندے میں ہے اُس پہ لاگو ہوتا ہے۔ سونے تک پہ لاگو ہوتا ہے۔ عالم ہے تو علم کو کس طرح تقسیم کرتا ہے، ادیب و دانشور ہے تو اپنی دانش کس طرح تقسیم کرتا ہے، حاکم ہے تو اپنے فرائض کس طرح ادا کرتا ہے، رعیت ہے تو اپنے حقوق و فرائض کس طرح ادا کرتا ہے۔ ہر بندہ جہاں ہے جو اُس کے پاس اللہ کی نعمتیں ہیں، اُن کو جب اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تو یہ انفاق ہے۔ فرمایا، میرے بندے تو وہ ہیں کہ میں نے انہیں جو نعمتیں دی ہیں وہ میری منشا کے مطابق خرچ کرتے ہیں، میری رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمدُ للہ رب العلمین O

ضرورت رشتہ

لڑکا: عمر 24 سال، تعلیم: DAE، ذاتی بزنس

فیصل آباد اور گرد و نواح کے سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

رابطہ نمبر

0345-9195661

19 جون 2012

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

سوال: سلسلے کے کچھ ساتھی حضرت جیؒ کے پردہ فرمانے کے بعد آپؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد منحرف ہو گئے تھے۔ ان حضرات نے اپنا سلسلہ بنالیا۔ پیر بن بیٹھے اور سلسلہ نقشبندیہ/اویسیہ اور حضرت جیؒ کا نام استعمال کرتے ہیں، لوگوں کو اسباق کرواتے ہیں۔ کیا ان کے اسباق کروانے کی کوئی حیثیت ہے یا لوگوں کے ساتھ محض دھوکہ کر رہے ہیں؟

جواب: میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ کتاب اللہ میں ارشاد ہے۔ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ (الفتح: 10) جس نے بیعت توڑی اس نے اپنے آپ کو تباہ کرلیا۔ یہ ارشاد حقیقی بیعت کے بارے میں ہے۔

یہ جو ایک رواج ہو گیا ہے کہ جاتے جاتے کسی کی بیعت کر لینا، نہ بیعت کرانے والے کو پتا ہے کہ میرے ذمے کیا ہے اور نہ بیعت کرنے والے کو پتا ہے کہ اس رشتے کا مطلب کیا ہے۔ بس ایک رواج ہو گیا ہے کہ پیر بنانا ہے ایک خانہ پُری کرنی ہے تو وہ ایک الگ بات ہے۔ واقعی سلاسل روحانی میں جنہیں کیفیات نصیب ہوئیں اور وہ بیعت کرتے ہیں اس بیعت کے توڑنے والے کو اصطلاح تصوف میں مرتدِ طریقت کہتے ہیں۔ جو اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام چھوڑ دے اُسے مرتد اور مرتدِ شریعت کہتے ہیں اور وہ واجب القتل ہوتا ہے۔ حکومتِ اسلامیہ کا فرض ہے اُسے قتل کرے۔

جو شخص واقعی کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اور بیعت لینے والا واقعی اس کا اہل ہو کہ اس کی بیعت کی جائے اور اس سے وہ استفادہ کر سکتا ہو اور لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہوں پھر وہ بیعت توڑتا ہے تو اس کا انجام بھیانک ہے۔ اس بیعت کے توڑنے کا سبب کیا ہے؟ اپنی بڑائی کا گمان دل میں آجاتا ہے کہ میں پیر بن جاؤں یا دُنیا کا لالچ ہو جاتا ہے کہ نذر ملے گی، لوگوں سے پیسے لوں گا۔ ایسے لوگوں کے پاس پھر کیا برکات ہوں گی۔ اسباق کے الفاظ تو سب نے سُنے ہوتے ہیں۔ مراقبات کرتے ہیں، سنتے ہیں، سمجھتے ہیں تو اسباق دہراتے رہنے کی تو بات نہیں ہے۔ بات تو کیفیات کی ہے، کیفیات تو منقطع ہو جاتی ہیں۔ میرے پاس اگلے دن اسی طرح کے ایک خود ساختہ ایک صاحب سلسلہ کا چھوٹا سا ایک کتابچہ جو کسی نے ان کی شان میں لکھا ہے، وہ پہنچا۔ پانچ سات صفحات پر مشتمل تھا، میں نے سرسری سا دیکھا۔ آپ دو باتوں سے اندازہ لگا لیجیے کہ جس نے سلسلہ چھوڑا اس نے خواہ ہزاروں لوگ جمع کر لیے لیکن ان ہزاروں لوگوں کی کیا عقیدے و عمل میں اصلاح ہوئی؟ اگر نہیں ہوئی تو فائدہ کیا ہوا؟ ممکن نہیں ہے کہ انہیں کیفیات نصیب ہو سکیں۔ میں اس کتابچہ میں پڑھ رہا تھا کہ حضرت جی میں انکساری دیکھو، فرماتے ہیں، میں عالم نہیں۔ میں نے کہا یہ انکساری کہاں ہے یہ تو جہالت ہے کہ عالم نہیں۔ مدرسے کا منہ نہیں دیکھا، کسی شیخ سے کچھ نہیں سیکھا تو عالم کہاں سے ہو گئے۔ دوسرا جھوٹ یہ لکھا ہوا تھا کہ حضرت نے تصوف کے لیے نوکری چھوڑ دی۔ میں نے کہا فوج نے تو بڑی منت سے جان چھڑائی تھی کہ اب بس بھی کرو، کس نے نوکری چھوڑی سلسلے کے لیے؟ تیسری بات بڑی مزیدار لکھی ہوئی تھی کہ حضرت جب مراقبات کراتے ہیں تو ساتھ شعر پڑھتے جاتے ہیں۔ دراصل ان

کے پاس کیفیت تو ہے نہیں اب لوگوں کو شعر و شاعری سے ہی مسحور کرنا ہے۔ کیفیات ہوتیں تو کیفیات القاء کرتے شعر پڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اب آپ کو جب توجہ دی جاتی ہے تو ساتھ شعر و شاعری کے تکلف کی کوئی ضرورت ہے؟ یہ تو وہی بات ہوئی جیسے قوالوں کی قوالی میں لوگوں کو وجد ہو جاتا ہے۔ ایک ذہنی کیفیت، دماغی کیفیت ہے اس میں روحانیت تو کوئی نہیں ہوتی دل پر اثر تو نہیں ہوتا۔ اگر شیخ کو بھی لطائف کرانے میں یا مراقبات کرانے میں شعر و شاعری کا سہارا لینا پڑے تو شیخ کیسا! جو ذہن کو ایک طرف متوجہ کرتا ہے اور بندے مسحور ہوئے رہتے ہیں۔ یہی ایک بات ظاہر کرتی ہے کہ ان کے پاس حقیقت تو کوئی نہیں، یار لوگوں نے ایک فرم بنالی ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ کریم فرمائیں گے۔ جو شخص سلسلہ چھوڑ جاتا ہے میں نے اس کو یاد نہیں کیا، نہ میں اس کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر اسے اللہ معاف کردے تو ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے اور اگر اس سے اپنا حساب لے تو ہمارا بیچ میں کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ مرتد طریقت کا ارتداد، کفر نہیں ہے مرتد شریعت کافر ہو جاتا ہے۔ مرتد طریقت پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا لیکن فرماتے ہیں یہ لوگ مرتے عموماً کفر پر ہی ہیں یعنی یہ مفضی الی الکفر ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس طرف لے جاتا ہے۔ عقائد خراب ہونا شروع ہو جاتے ہیں، کردار خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آخرت کی بجائے دُنیا مقصد بن جاتی ہے اس طرح وہ تباہ ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیں، سلسلہ سے کٹ کر دنیوی شہرت حاصل کی جا سکتی ہے، دولت جمع کی جا سکتی ہے مگر کیفیات ہیرا پھیری سے نہیں آتیں۔ رہی یہ بات کہ یہ کون لوگ تھے، کیا کرتے تھے اور اب کیا کرتے ہیں؟ اس سے ہمیں سروکار نہیں رکھنا چاہیے، معاملہ اللہ کے سپرد کرنا بہتر ہے، وہ بہتر انصاف کرنے والا ہے، اس کا اپنے بندوں سے معاملہ براہِ راست ہے۔ ہاں یہ دیکھ لینا چاہیے کہ جتنے لوگ الگ ہوئے اس کے بعد ان میں سے کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی؟ ان کی تو اپنی حالت بگڑ گئی، کسی کی اصلاح کیا ہوتی!

جو لوگ ان کے ساتھ آئے ان میں تو شعور ہی نہیں ہے۔

مجھے ان کے حالات دیکھنے کا پچھلے دنوں اتفاق ہوا۔ حضرت جیؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ دوسرے تیسرے مہینے، کبھی مہینے میں حاضری ہو جاتی ہے، چند لمحے وہاں گزر جاتے ہیں، بیٹھ کر اپنا سبق دہرایا، دعا کی اور چلے آئے۔ اس وقت وہاں ایک جماعت کا اجتماع ہو رہا تھا۔ انہوں نے پولیس بلائی ہوئی تھی اور بندوقیں لے کر وہ پولیس والے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ بھی چونکہ ہمیشہ گارڈ ہوتے ہیں ہمارے پاس بھی بندوقیں ہوتی ہیں تو وہ پولیس والے بھاگے بھاگے آئے کہ یہ بندوقوں والے کون آگئے؟ ہم نے کہا بھئی بیٹھے رہو۔ انہوں نے کہا ہم ڈیوٹی پر آئے ہیں۔ ہم نے کہا ہم بھی ڈیوٹی پر آئے ہیں، تم اپنی ڈیوٹی کرو ہمیں اپنی ڈیوٹی کرنے دو تو وہ تھانیدار دل میں بڑا ناراض بھی ہوا۔

بہر حال ہم حضرتؒ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ گئے وہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے جو مسجد سے قرآن مجید لا کر مزار پر تلاوت کر رہے تھے گویا حضرت جیؒ کو بخشوانے آئے ہیں۔ وہ صاحب مزار کی مدد کرنا چاہ رہے تھے کہ مزار پر بیٹھ کر ختم پڑھیں ان کی نجات ہو جائے۔ اب جن لوگوں میں شعور ہی یہ ہے انہیں فیض کہاں سے ملا، کیا ملا؟ ان کی نظر میں فیض کیا ہے؟

ہم بزرگوں کی قبر پر، والد کی، والدہ کی، رشتہ داروں کی قبور پر جاتے ہیں کہ ان پر تلاوت کریں گے تو انہیں فائدہ ہوگا۔ حیات الحیوان ایک کتاب ہے اور اس اللہ کے بندے نے (اللہ اس پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے) الف سے یے تک ابجد کے حساب سے جتنے حیوانات کے نام ان کے ذہن میں آئے، ان کی خصوصیات، ان کا حلیہ، ان کے قد کاٹھ، ان کے طبی فوائد جس میں کیا کیا حکمتیں ہیں، جو جانتے تھے سب لکھ دیا۔ کافی ضخیم کتاب ہے۔

وہ روانی میں لکھتے لکھتے کئی مرتبہ موضوع سے باہر نکل جاتے ہیں۔ احادیث بیان کرتے ہیں پھر واقعات بیان کرتے ہیں۔ بات کسی جانور کی چل رہی ہوتی ہے آگے پھر حدیث کی بات، آگے کسی واقعے کی بات شروع کر دیتے ہیں۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ دو دوست تھے ایک کی وفات ہو گئی تو دوسرے نے سوچا میں اس کی کوئی خدمت کروں تو وہ روزانہ قرآن لے جا کر اس کی قبر پر بیٹھ کر کچھ نہ کچھ تلاوت کرتا، رکوع، دو رکوع پڑھتا، پارہ پڑھتا اور آ جاتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دوست اُسے خواب میں آیا اور اس نے کہا خدا کے لیے کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو تم گھر بیٹھ کر تلاوت نہیں کر سکتے۔ تو وہ بولا میں تو تمہاری بھلائی کے لیے روزانہ تمہاری قبر پر آتا ہوں۔ اس نے کہا جو آیتیں تم پڑھتے ہو مجھے مار پڑتی ہے اور فرشتے کہتے ہیں کیا زندگی میں تم نے یہ نہیں سنی تھیں۔ اب قبر پر پڑھوا رہا ہے۔ اس پر دُنیا میں عمل کیوں نہیں کیا تھا؟ تو نہیں جانتا تھا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ اس نے کہا مجھے بڑی مار پڑتی ہے۔ خدا کے لیے پہلے ہی میرا بُرا حال ہے تم تو ٹل جاؤ۔

یہ مختلف کیفیات ہوتی ہیں۔ اب کوئی ایسا ہے کہ اُسے عذاب ہو رہا ہے اور کوئی ایسا ہے کہ تلاوت ہوتی ہے تو اس کا عذاب ٹل جاتا ہے اور کوئی ایسا ہے جس کا بڑھ جاتا ہے۔ تو بہرحال قبر پر تلاوت کرنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ قبر کو میری طرف سے کوئی فائدہ پہنچے۔ وہ قبر والد کی ہو یا بزرگ کی ہو یا دوست کی ہو مقصد تو یہی ہوتا ہے نا! اب جو لوگ وہاں اجتماع کر رہے ہیں وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ہم حضرت جیؒ کو فائدہ دیں تو انہوں نے وہاں سے کیا لینا ہے؟ کوئی کیفیت ہوتی، کوئی طریقہ آتا، کوئی سلیقہ ہوتا تو مؤدب بیٹھ کر اپنے مراقبات پر غور کر رہے ہوتے، کوئی فائدہ حاصل کر رہے ہوتے۔ میں نے تو وہاں دُنیا ہی اُلٹی ہوئی دیکھی۔ مجھے حیرت بھی ہوئی کہ اگر ان کو اتنی بھی تمیز نہیں ہے تو فائدہ کہاں سے لیں گے۔ پتہ ہی نہیں ہے کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا۔

وہ بڑا کریم ہے۔ ایک واقعہ میں نے کہیں پڑھا تھا مجھے اب اس کی سند بھی یاد نہیں کتاب بھی یاد نہیں لیکن نصیحت کے لیے بہت اچھا واقعہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی کی قبر کے پاس سے گزرے تو اس بندے پر گرفت تھی، عذاب تھا، شدت میں مبتلا تھا۔ کچھ دنوں بعد واپسی ہوئی راستہ وہی تھا، وہاں سے گزرے تو دیکھا وہ نجات میں ہے۔ آپؑ نے دُعا کی بار الٰہا، اس صاحب قبر نے قبر میں کیا کر لیا کہ تو نے اس کے عذاب کو ثواب سے بدل دیا اور اس پر رحم فرما دیا، نجات فرما دی۔ ارشاد ہوا، اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا وہ اب چار پانچ سال کا ہوا اور اب اس کی ماں مدرسے لے گئی اور اس نے بسم اللہ شریف شروع کی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس کی بسم اللہ ہوئی۔ وہ توتلی زبان میں رحمٰن رحیم پکار رہا تھا تو میری رحمت کو حیا آئی کہ یہ ننھا سا بچہ رحمٰن رحیم پکار رہا ہے، اسی کا بیٹا ہے چلو اسے معاف کر دیتے ہیں یہ تو اس کی رحمت بہانے تلاش کرتی ہے۔ اس کی قیمت کوئی نہیں ادا کر سکتا۔

رحمت حق بہانہ می جوید
رحمت حق بہا نمی جوید

رحمتِ حق، قیمت نہیں مانگتی، بہانہ اور سبب چاہتی ہے تو وہ معاملہ تو اللہ کریم کا ہے اور آخرت کا ہے لیکن دنیا والے کا کردار کیا ہے، کیا کر رہا ہے، اُسے فیض حاصل کرنے کا کوئی سلیقہ بھی ہے؟ فیض لینا چاہتا ہے یا فیض دے رہا ہے۔ تو یہ جو لوگ بھٹک گئے اُن کا حال تو میرے بھائی یہ ہے۔ ان کا ذکر کرنے کا فائدہ کیا ہے۔

جس طرح حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا تھا کہ آپؒ سے بڑی باتیں سنی ہیں لیکن آپ نے شیطان کی مذمت کبھی نہیں کی تو انہوں نے فرمایا جتنا وقت، جتنے الفاظ، جتنی قوتِ بیان شیطان کی مذمت پر خرچ ہو گی وہ اللہ اور اللہ کی تعریف پر کیوں نہ خرچ کروں۔ تو آپ بھی اپنا وقت، اپنی توجہ اپنے کام پر مرکوز رکھیں۔ جو گیا، اس کے کردار میں یقیناً کوئی خرابی تھی ورنہ اللہ کریم

محروم نہیں فرماتے۔ گنہگاروں کو بھی قبول فرمالیتے ہیں۔ یہی معنی ہے توبہ کا۔ توبہ، گنہگار، خطا کار ہی کرتا ہے، توبہ کا دروازہ کھلا ہے، ہر آنے والے کو قبول فرمالیتے ہیں لیکن اگر دل سے نہ آئے تو پھر وہ رَد کر دیا جاتا ہے۔ چیزوں کے دیکھنے کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ہم ایک پہلو سے دیکھتے ہیں کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھتا۔ یہ ایک رُخ ہے، اس کا حقیقی رُخ یہ ہے کہ اللہ نے اس سے سجدے کی توفیق چھین لی، وہ نہیں پسند کرتا کہ اس کی پیشانی اس کی بارگاہ میں جھکے۔ اس کا کوئی ایسا عمل، کوئی ایسا کردار، کوئی ایسی سوچ، کوئی ایسی فکر ہے کہ اللہ نے اس کی پیشانی کو اپنے سجدوں سے محروم کر دیا۔

اب عام آدمی پہلی بات ہی دیکھتا ہے جسے اللہ نے وسعت نظر دی ہے وہ دوسری بات دیکھتا ہے۔ ایک آدمی یہ دیکھتا ہے کہ وہ سلسلہ چھوڑ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انہیں محروم کر دیا۔ پتا نہیں ان سے کیا خطا ہوئی، وجہ کیا ہوئی تو جو خود محروم ہو جاتے ہیں وہ دوسروں کو فائدہ کیا دیں گے؟ جو لوگ ان کے ساتھ ہیں آپ ان کا کردار دیکھ لیجیے، آپ ان کی تربیت دیکھ لیجیے تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ اعمال تو اعمال رہے عقائد بھی برباد ہو گئے۔ اللہ کریم اس مصیبت سے معاف رکھے، حق پر قائم رکھے، حق کا ساتھ دینے کی توفیق دے۔ اہل حق کے ساتھ موت بھی دے اور اہل حق کے ساتھ حشر فرمائے۔

میرے بھائی، جب مقصد میں تبدیلی آجاتی ہے تو یہ چیزیں بدل جاتی ہیں۔ جب تک مقصد رضائے الٰہی ہو بندے سے خطائیں بھی ہو جائیں تو اللہ معاف فرماتا ہے اور اُسے قبول کیے رکھتا ہے۔ جب مقصد اپنی بڑائی یا حصولِ زر ہو جائے تو پھر پارسا بھی بنا رہے اللہ اُسے رد کر دیتا ہے۔ پھر اس کی پارسائی میں بھی کچھ نہیں رہتا، کیونکہ بنیاد ہی ختم ہو گئی تو عمارت جتنی بھی خوبصورت ہو گر جائے گی، جب نیچے سے بنیاد ہی ختم ہو گئی۔

بندے کی نیت اور اس کا خلوص بنیاد ہے ساری عمارت کی۔ خدانہ کرے بنیاد ہی نکل جائے تو عمارت کہاں رہے گی؟ میرا آپ کو بھی مشورہ ہے اپنے کام سے کام رکھیں، جو گیا اُسے بھول جائیں۔ ہمیں ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خس کم جہاں پاک

سوال: مفسرین کرام نے ملکہ سبا کے لیے کہا ہے کہ وہ جنی عورت کی بیٹی تھی کیونکہ اس کے والد نے جن عورت سے شادی کی تھی۔ بعض فقہا بھی جن عورت سے شادی کے قائل ہیں لیکن جدید سائنس کی تحقیق DNA وغیرہ کے مطابق انسانی نسل کے جراثیم انسان ہی میں منتقل ہوتے ہیں۔ دوسری نوع سے نسل ناممکن ہے۔ اپنی رائے سے مستفید فرمائیں۔

جواب: پچھلے دنوں، غالباً پچھلے سال کی بات ہے، امریکہ کے ایک شہر کی خبر تصویر کے ساتھ آئی تھی۔ میں نے کافی دیر وہ اخبار رکھا بھی۔ میں نے سوچا اس پر کچھ لکھوں بھی، پھر میں نے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا۔ ایک امریکی عورت نے کہا کہ مجھے ایک عجیب و غریب انسان ملا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو، اس نے کہا اس شیطانوں کے شہر میں، میں ایک اصلی شیطان ہوں۔ شیطانوں کے اس شہر میں، میں ایک حقیقی اور واقعی شیطان ہوں۔ وہ میرے ساتھ دو تین دن رہا، جو مجھے کہتا میں کرتی رہی پھر میں اس سے حاملہ ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ میں یہ حمل ضائع کرا دوں لیکن جب بھی میں ارادہ کرتی تو اس کی شکل میرے سامنے آجاتی، میں ارادے سے رُک جاتی، پھر اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس بچے کی تصویر بھی دی ہوئی تھی۔ عام انسانوں جیسا بچہ تھا لیکن اس کے سامنے والے دو دانت نچلے ہونٹ پر آئے ہوئے تھے۔ غالباً اب بھی لائبریری میں اس کی اخبار والی تصویر پڑی ہوگی۔ میں نے رکھی تھی کہ اس پر کچھ لکھوں گا پھر غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا۔ یہ سائنس بھی وہیں پل بڑھ رہی ہے۔ یہ واقعہ بھی وہیں ہوا ہے۔ اب اس کا کوئی تجزیہ امریکی سائنسدانوں کی طرف سے سنا نہیں۔

جہاں تک جنوں اور انسانوں کی شادی کا تعلق ہے تو یہ میں آپ کو شمار کر کے بتا نہیں سکتا کہ میرے پاس ایسے کتنے حالات لے کر لوگ آئے ہیں کہ خواتین سے جن بدکاری کرتے ہیں اور ہمارے پاس تو ایک علاج ہے کہ یہاں چند دن رہو اللہ اللہ کرو، دل کو روشن کر لو جن قریب نہیں آسکے گا اور الحمد اللہ ٹھیک بھی ہو گئے۔ یہ وہ Cases ہیں جو جن بحالت جنّیت، جن رہتے ہوئے برائی کرتے ہیں اگر جن مرد کر سکتے ہیں تو جن عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ ایسے لوگ بھی آئے ہیں، ایسے جوان بھی آئے ہیں جن سے جنّی عورتیں برائی کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ شیاطین اور جنات کو یہ قوت حاصل ہے کہ وہ کسی بھی شکل میں متشکل ہو سکتے ہیں۔ سانپ بن جائیں، گدھا بن جائیں، انسان بن جائیں، کسی خاص انسان کی شکل بنالیں۔ جنّی عورت کسی عورت کی شکل بنالے۔ یہ سب کچھ ممکن ہے۔ "احکام المرجان فی احکامِ جان" ایک کتاب ہے، ہماری لائبریری میں موجود ہے، اس میں موضوع پر سیر حاصل بحث ہے۔ جب جنات مجسم ہو جاتے ہیں تو اندر سے رہتے تو وہ جن ہی ہیں لیکن ان پر احکام سارے وہ وارد ہوتے ہیں جو جسم پر ہوتے ہیں۔ اگر جن مجسم ہو جائے، انسان بن جائے، گدھا بن جائے اور آپ اُسے پکڑ لیں تو آپ کے پکڑے ہوئے وہ شکل تبدیل نہیں کر سکتا جب تک آپ اُسے چھوڑیں گے نہیں۔ تو اگر کوئی جنّی عورت کسی انسانی شکل میں آ کر کسی انسان سے شادی کر لیتی ہے تو اس پر احکام جو وارد ہوں گے طبی بھی تو وہ بھی انسانی وارد ہوں گے اور احکام المرجان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جنّی عورتوں نے انسانی شکل میں آ کر انسانوں سے شادی کی۔ جن مردوں نے انسانی شکل میں آ کر عورتوں سے شادیاں کی اور ان سے اولادیں ہوئیں۔ وہ واقعات بھی اس میں نقل کیے گئے۔

میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں جو میرے سامنے ہوا۔ میں ڈھلوال میں تھا، 1963ء کی بات ہے میرے مراقبات فنا بقاء تک تھے، الحمد اللہ! میرے ساتھ دو ساتھی ڈھلوال کے تھے۔ میں سکول پڑھاتا تھا۔ 1963ء کا سال میں نے ڈھلوال میں گزارا ہے، تبادلہ وہاں ہو گیا تھا۔ جامع مسجد میں مجھے انہوں نے کمرہ دے دیا تو میں مسجد میں رہتا تھا اور جمعہ کی تقریر کر دیتا تھا، جمعہ کی نماز پڑھا دیتا تھا تو وہ لوگ وہاں سے جہاں میں رہتا تھا مجھے لے گئے کہ آپ یہاں ہمارے پاس آئیں۔ پھر میں نے ایک مکان کرائے پر لے لیا، بچوں کو بھی ساتھ لے گیا اور وہاں رہنا شروع کر دیا۔ ایک سال میں وہاں رہا۔ اب وہ لوگ میرے پاس آ جاتے۔ شام کو ہم ذکر اکٹھا کیا کرتے، سحری کو بھی کرتے تھے۔ باہر چار دیواری کے باہر ایک بیٹھک بنی ہوئی تھی اس میں ذکر کرتے تھے۔ ایک ساتھی جن کا وصال ہو چکا ہے، عبدالمالک ان کا نام تھا، عبدالمالک بڑے غریب پرور تھے۔ شہر کے اکثر غریبوں کے ساتھ ان کے تعلقات ہوتے تھے۔ کسی نہ کسی کو کچھ نہ کچھ دیتے رہتے تھے۔ کوئی مصیبت آتی تو ان کے ساتھ تعاون کرتے۔ ایک شام جب ہم ذکر کر کے بیٹھے تو وہ کہنے لگے، ایک بڑی مصیبت آ گئی ہے۔ میں نے پوچھا کیا مصیبت ہے؟ کہنے لگے، یہاں یہ جو قریبی محلہ ہے اس میں ایک لڑکا ہے، تیلی قوم کا ہے لیکن وہ کوئلے کی کان پر مزدوری کرتا ہے اور وہ اکیلا بھائی ہے۔ اس کی تین چار بہنیں ہیں۔ ماں باپ بوڑھے ہیں، وہ اکیلا کما کر لاتا ہے، دہاڑی دار مزدور ہے۔ اُسے دو دن سے جنوں نے پکڑا ہوا ہے اور چوبیس گھنٹے، دن رات پکڑے بھی رکھتے ہیں اور مارتے بھی بہت ہیں، چیختا چلاتا رہتا ہے۔

میں نے کہا یار! اس مصیبت میں مجھے نہ ڈالو، لوگوں کو پتہ چل گیا پھر میں تو سارا دن جن ہی نکالتا رہوں گا۔ عامل شامل لوگ ہیں، پیسے لیتے ہیں، عملیات کرتے ہیں، اس نے کہا عاملوں سے بات گزر گئی ہے۔ میں نے کہا ایک شرط پر علاج کرتے ہیں۔ اللہ کرے گا یہ ٹھیک ہو جائے گا لیکن تم کسی کو بتاؤ گے نہیں۔ کہنے لگا جی ٹھیک ہے۔ میں نے دوسرے ساتھی کو جو وہیں ڈھلوال کا تھا اور

اُسے مشاہدات بھی تھے کہا، چلو دیکھو بھائی اسے کیوں جن نے پکڑ رکھا ہے۔ تو وہ جن مذہباً سکھ تھا اور وہ اُس لڑکے کو پیٹ رہا تھا۔ اُسے روکا، پوچھا بلکہ میں نے کہا یار ایسا کرو یہاں قریب ہی ان کی کوئی بستی ہوگی اور ان کی ہر بستی میں ان کا ایک سردار ہوتا ہے، اُسے پکڑ لاؤ، اس کے ذریعے کام کرالیں۔ ان کا ایک بڑا پکڑا آگیا اس سے پوچھا، اس نے اس سے پوچھا۔ کہنے لگا، جی میں گدھا بن کر ان کی ڈیوڑھی میں کھڑا تھا۔ یہ لڑکا باہر سے آیا تو اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس نے پکڑ کر مجھ پر ایک بورا رکھا، رسی ڈالی، ڈنڈا لیا اور ساری رات یہ مجھ پر مٹی ڈھوتا رہا اور ڈنڈے برساتا رہا، اس نے میرا بڑا بُرا حشر کیا۔ جب اس نے مجھے چھوڑا تو پھر میں نے اسے پکڑ لیا۔ اب میں اسے مارتا رہتا ہوں۔ تو میں نے کہا بھئی تم خالصے ہی نکلے۔ تم گدھا بن کر کیوں کھڑے تھے۔ کہنے لگا اس کی جوان بہنیں ہیں میرا دل تھا ان سے مذاق کروں گا، اوپر سے یہ آگیا، اس نے مجھے پکڑ لیا۔ میں نے کہا تمہارا مزاج جنوں کا بھی ایسا ہی ہے۔ تم نے گدھا بن کر ہی مذاق کرنا تھا تو بے وقوفی تو تمہاری ہے۔ اب چونکہ گدھا بنا ہوا تھا اس لیے عام آدمی نے پکڑ کر رسی ڈالی تو وہ شکل نہیں بدل سکتا تھا۔ وہ ساری رات اس پر مٹی ڈھوتا رہا اور ڈنڈوں سے اُسے مارتا رہا۔ تو میں نے کہا یار یہ بتاؤ کہ کھانا پینا، رفع حاجت کے لیے جانا، یہ تم چوبیس گھنٹے اسے کیسے پکڑے رکھتے ہو؟ کہنے لگا میرے ماں باپ بھی ہیں اور بہن بھائی بھی ہیں تو ہم گھر کے چار ہیں۔ ہم باری باری پیٹتے رہتے ہیں۔ کل سے لگے ہوئے ہیں اسی کام پر۔ خیر ہم نے انہیں منع کیا، اللہ کا شکر ہے انہوں نے چھوڑ دیا۔ اب جو وہ ساتھی سفارشی آئے تھے انہیں جستجو تھی، لہٰذا عشاء کے بعد وہ گھر سے نکلے سیدھے اس لڑکے کے گھر گئے۔ پھر واپس میرے پاس آئے، کہنے لگے میں ان کے گھر گیا تھا اب وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور میں نے دیکھا ان کے صحن میں مٹی کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ تو میں نے اس سے پوچھا یہ تم نے منگوائی کیسے تو کہنے لگا کدھر سے منگوائی تھی غریب آدمی ہوں۔ یہاں ڈیوڑھی میں کسی کا ایک گدھا کھڑا تھا میں نے پکڑ لیا آوارہ گدھا تھا تو ساری رات اس پر مٹی ڈھو کر جمع کی۔ مکانوں کی لپائی کرنی تھی۔

تو یہ جب انسانی شکل میں ہوتے ہیں اور پھر اسی میں رہنا شروع کر دیں تو ان پر انسانی احکام وارد ہو جاتے ہیں اور یہ DNA والوں کے اپنے شہر کی خبر ہے۔ ان سے کہیں وہاں خبر لیں وہ بچہ بھی ہوگا اور وہ خاتون بھی ہوگی۔ چونکہ یہ پچھلے سال کی خبر ہے، تو اس کا DNA ٹیسٹ کریں اس میں کیا ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمْ۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَاعْفُ عَنَّا قَبْلَ ذٰلِکَ

دعائے مغفرت

(1) کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ظفر آغا صاحب کا بیٹا۔
(2) کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حافظ محمد یاسر کے والد محترم۔
(3) مانسہرہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی خلیل الرحمٰن کی بیٹی۔
(4) اسلام آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی طاہر بشیر کے والد محترم۔
(5) کراچی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی خطیب قاری امداد اللہ صاحب۔
(6) کراچی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاکم علی خان۔
(7) مظفر گڑھ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد بلال۔
(8) ڈسکہ ضلع سیالکوٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد طارق کی اہلیہ محترمہ۔
(9) ستراہ ضلع سیالکوٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی رانا محمد سلیم۔
(10) ستراہ ضلع سیالکوٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صوفی محمد بشیر۔
(11) فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی افضل ورک کے والد محترم۔
(12) فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے صاحب مجاز جناب اظہر خورشید صاحب کی اہلیہ۔
(13) فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد ریاض کی والدہ محترمہ۔
(14) مٹوٹلی، شجاع آباد (ملتان) سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد ظفر اقبال۔
(15) کوہاٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالواحد کی والدہ محترمہ۔
(16) پشاور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مختار صدیقی۔
(17) پشاور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی جاوید۔
وفات پاگئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

عقلمند لوگ

مولانا محمود خالد، بہاولپور

لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ O الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ج عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔

(آل عمران 3:190-191)

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ''کسی حالت میں ذکر اللہ سے غافل مت رہو دل میں اور پوشیدہ اور زبان سے ذکر اللہ کرتے رہا کرو۔ یہ لوگ آسمان اور زمین میں نظریں دوڑاتے ہیں اور ان کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں۔ جو اس خالق یکتا کی عظمت و قدرت اور اختیار و رحمت پر دلالت کرتی ہیں''۔ (ابن کثیر ج ا ص 599)

حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ حضرت حسن کا قول ہے غور و فکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کر دے گا۔

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہو، اور اس کا خاموش رہنا غور و فکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت و تنبیہ ہو۔

لقمان حکیم کا یہ حکمت آموز مقولہ بھی یاد رہے کہ تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو اسی قدر غور و فکر اور انجام بینی زیادہ ہوتی ہے۔ اور جس قدر یہ بڑھ جائے اسی قدر وہ راستے انسان پر کھل جاتے ہیں، جو اسے جنت میں پہنچا دیں۔

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں جس قدر مراقبہ زیادہ ہوگا، اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہوگی۔ جتنی سمجھ زیادہ ہوگی اتنا علم نصیب ہوگا اور جس قدر علم زیادہ ہوگا، نیک اعمال بھی بڑھیں گے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزّوجل کے ذکر میں زبان کا تر رہنا بہت اچھا ہے، اور اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا افضل عبادت ہے۔ (ابن کثیر ج ا ص 599)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں ''جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔ یہ اولی الالباب کی صفت ہے کیونکہ ذکر، فکر، تسبیح، استغفار، دعا، تضرع اور ایمان عقل کا تقاضا ہے جو ان صفات سے متصف نہیں وہ جانور ہے بلکہ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ۔ کیونکہ چوپائے بھی کسی نہ کسی طرح تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔'' حدیث میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ اس سے ذکر لسانی مراد نہیں ہے کیونکہ ہر وقت ہمیشہ زبانی ذکر نا ممکن ہے، چونکہ دوام ذکر ہی اصل مقصد ہے اور اس کا مرتبہ بہت اونچا ہے (تفسیر مظہری ج 2۔ص 452)

''چونکہ دوام ذکر ہی اصل مقصد ہے اور اس کا مرتبہ بہت اونچا ہے اور تفکر ہی ایک ایسا طریقہ ہے جو ذکر تک پہنچاتا ہے۔ اس لیے اللہ نے سب سے پہلے اولی الالباب کی صفت دوام ذکر کو قرار دیا اور اس کے بعد تفکر کو ذکر کیا۔ جو علم (ذکر) تک پہنچاتا ہے اور ذکر کے لیے ایسا ہے جیسے کسی چیز کا سایہ۔ پس کھڑے بیٹھے اور کروٹ کے بل ذکر کرنے سے مراد ہے ہر حال میں ہر وقت ذکر کرنا۔'' اس کے بعد فرمایا، وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ج اس کے علاوہ فکر سے پہلے ذکر کو بیان کرنے سے اس امر پر تنبیہ بھی ہوتی ہے کہ عقل تنہا کوئی صحیح

حکم اور فیصلہ نہیں کر سکتی جب تک نور ذکر اور ہدایت الٰہی سے ضیا چین نہ ہو۔ (یعنی تفکر سے پہلے نور ذکر کی ضرورت ہے تنہا تفکر کرنے والے تو بہت ہیں مگر ذکر کی روشنی سے چونکہ وہ نور چین نہیں اس لیے علم ذات سے محروم ہیں) (تفسیر مظہری ج 2ص 456)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں، اس آیت میں دو مسئلے ہیں ایک یہ کہ فکر بھی مثل ذکر کے عبادت ہے۔ دوسرا یہ کہ فکر کا محل خلق ہے نہ کہ خالق کی ذات (بیان القرآن ج 2۔ص 85) یہاں دو عملوں کی ترغیب ہے ایک ذکر کی اور ایک فکر کی اور دونوں میں کوتاہی کرنا ہماری دنیوی اور دینی خرابی کا سبب ہے۔

(اشرف التفاسیر ج اص 322)

حضرت مولانا محمد عبد الرحمان حیدر آبادی (ہند) استاد حدیث وتفسیر خلیفہ مجاز حضرت مولانا الشاہ ابرار الحق صاحب لکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذکر وفکر کرنا قلب میں اللہ کی خالقیت ومالکیت کا یقین پیدا کرتا ہے۔

سلوک: حکیم الامتؒ نے آیت سے دو مسئلے مستنبط کئے ہیں۔ (1) ذکر کی طرح فکر بھی عبادت ہے (2) فکر خالق کی ذات میں نہیں بلکہ مخلوقات کی پیدائش اور اس کی حکمتوں میں کی جاتی ہے۔ (قرآنی تعلیمات ص 79)

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں۔ یادِ الٰہی دل سے ہو یا زبان سے ہر حال اور ہر ہیت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اس سے مراد دائم الذکر (ہر وقت ذکر کرنے والے) انسان کی حالت بیان ہوئی ہے بیشک ان کے احوال ان تین حالتوں (کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے) کے سوا نہیں ہوتے۔ (کبیر)

تمام مفسرین کہتے ہیں اس کا مقصد تمام حالتوں میں ذکر کی ہمیشگی ہے (معالم)

فکر وہ افضل عبادت ہے جیسا نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (تفکر جیسی کوئی عبادت نہیں) اس لیے کہ وہ دل کے ساتھ مخصوص ہے اور مخلوق سے یہی مقصود ہے (بیضاوی)

آیت اس بات کی دلیل ہے کہ صدیقین کا اعلیٰ مرتبہ دلائل الذات و الصفات میں تفکر ہے (کبیر۔ تفسیر ماجدی 172)

حضرت مولانا ابو الکلام آزادؒ لکھتے ہیں "شرط کامیابی یہ ہے کہ راہِ حق میں استوار رہو۔ حق کی معرفت اور استقامت کا سرچشمہ اللہ کا ذکر اور کائنات میں تفکر ہے۔ ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے تمہارا دل خالی نہ رہے فکر سے مقصود یہ ہے کہ آسمان وزمین کی خلقت اور کائناتِ فطرت کے حوادث ومظاہر میں غور وفکر کرتے رہو۔ ذکر سے تمہارے دل کی غفلت دور ہوگی۔ فکر سے تم پر حقیقت کی معرفت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔ جن لوگوں کے دل غفلت سے پاک ہوتے ہیں اور کائنات خلقت میں تفکر کرتے ہیں ان پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ تمام کارخانہ ہستی اور اس کا عجیب وغریب نظام، بغیر کسی اعلیٰ مقصد اور نتیجہ کے نہیں ہوسکتا۔" (ترجمان القرآن ص ج ا 354)

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعیدؒ صاحب لکھتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کھڑے بیٹھے اور لیٹے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اس ذکر سے مراد ذکر لسانی اور ذکر قلبی دونوں ہیں۔

ابن المنذر نے عون کا قول روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا تھا کہ افضل عبادت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا تفکر اور اعتبار یعنی غور وفکر کرنا اور عبرت حاصل کرنا۔

عامر بن قیسؒ فرماتے ہیں میں نے بہت سے صحابہ کرامؓ سے سنا ہے کہ ایمان کا نور یا ایمان کی ضیا تفکر ہے۔ (تسہیل القرآن ص 623-622)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صاحب لکھتے ہیں۔ یعنی کسی حال خدا سے غافل نہیں ہوتے اس کی یاد ہمہ وقت ان کے دل میں اور زبان پر جاری رہتی ہے جیسے حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ (تفسیر عثمانی ص 97)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ کے بندے

کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے۔ ہمہ وقت اللہ کی یاد ان کے دلوں میں رہتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں حضور ﷺ ہر وقت اللہ کو یاد کرتے تھے (تفسیر محمود ج اول ص 463)

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہیؒ لکھتے ہیں عقل والوں کی یہ صفت بیان فرمائی کہ یہ لوگ کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ زبان سے اور دل سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا تذکرہ کرنا یہ سب ذکر اللہ میں داخل ہے۔ جن لوگوں کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے وہی حقیقت میں عقل والے ہیں اور ان کے عقلمند اور عارف ہونے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں کھڑے ہوں چل رہے ہوں کسی حال میں ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ (انوار القرآن اول ص 531)

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ لکھتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ ذکر جب راسخ ہو جاتا ہے تو فکر میں ڈھل جاتا ہے اسی کی فکر میں ڈھل جاتا ہے اسی کی فکر لگ جاتی ہے اور دھیان اسی کی جانب بندھ جاتا ہے۔۔۔ ذکر کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان سے ایک فکر جنم لیتی ہے اور سوچ اور دھیان کا ایک سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ (انوار القرآن ج اص 120)

حضرت مولانا محمد نعیم صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند لکھتے ہیں۔ سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں غور وفکر ایک نور ہے جو دل میں داخل ہوتا ہے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں۔ غور وفکر کی کثرت سے حقیقت سمجھ آجاتی ہے اور اس کو علم صحیح اور عمل صحیح حاصل ہو جاتا ہے۔

بشر حافی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت پر نظر ہو تو انسان معصیت نہیں کر سکتا۔ ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ مجھے ہر چیز میں اللہ کی نعمت اور عبرت نظر آتی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً۔ یعنی ساٹھ سال کی عبادت کی نسبت ایک گھڑی بھر کا غور وفکر زیادہ قیمتی ہے۔ (انوار القرآن ج دوم ص 236) (معالم العرفان ج 4 ص 604)

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتیؒ لکھتے ہیں۔ عقلمند وہ لوگ ہیں الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں یا اپنی کروٹوں کے بل لیٹے ہوں ہر حالت میں اپنے خالق و مالک کو یاد کرتے رہتے ہیں اور اس یاد آوری میں آگے ان کی دعاؤں کا ذکر بھی آرہا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کس قسم کی التجا کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی فکر کیسی صحیح ہے اور ان کے عقائد کیسے پختہ ہیں گویا اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی عقلمند پہچانے جاتے ہیں، یہی ان کی علامت ہے۔

اُم المومنین عائشہ صدیقہ کی روایت میں آتا ہے کہ نبی ﷺ كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ آپ تمام اوقات میں اپنے رب کو یاد کرتے رہتے تھے۔ آپ کا کوئی وقت بھی ذکر الٰہی کے بغیر نہیں گزرتا تھا۔ عمران بن حصینؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ذکر میں ہر قسم کی عبادت بھی شامل ہے۔

زبانی ذکر تو عام ہے اس کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہے جو لوگ بزرگان دین سے تربیت حاصل کرتے ہیں وہ بزرگان دین انہیں قلبی ذکر بھی سکھلا دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا دل ہمیشہ بیدار رہتا ہے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے ان کا کوئی سانس ذکر سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ ان کے لطائف باطنی بھی ذکر کرنے لگتے ہیں یہ چیزیں ایسے لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں جو سلوک کی منازل طے کرتے ہیں اور مرشدان برحق کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر طالب کی تربیت اس کی صلاحیت کے مطابق کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور دوسری صفت یہ بیان فرمائی۔ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج کہ وہ آسمان وزمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں اس غور وفکر کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفاتِ کمال کو سمجھ سکے گا۔ (معالم العرفان ج 4 ص 601

(604،603،

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں۔ یعنی عقلمند وہ نہیں جو دنیا کے اسباب ووسائل زیادہ سے زیادہ حاصل کر لے اور سیم وزر کا خزانہ اپنے پاس جمع کر لے بلکہ عقلمند وہ ہے جس کا دل کبھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو، اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے سوتے اللہ ہی کی یاد سے اس کا دل آباد ہو وہ دنیا کی چیزوں اور زمین وآسمان پر فکر وتدبر کی نگاہ ڈالے، تو وہ اس نقطہ نظر سے کہ مخلوق سے اس کے خالق کو اور موجود سے اس کے موجد کو پہچانا جا سکے (آسان ترجمہ وتشریح 181)

حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں۔جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے، اور کروٹ پر لیٹے یعنی تمام احوال میں مسلم شریف میں مروی ہے کہ سید عالم ﷺ تمام احیان میں اللہ کا ذکر فرماتے تھے بندہ کا کوئی حال یادِ الٰہی سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔حدیث شریف میں ہے جو بہشتی باغوں کی خوشہ چینی پسند کرے اسے چاہیے کہ ذکر الٰہی کی کثرت کرے (خزائن العرفان ص 135)

حضرت پیر کرم شاہ الازھری لکھتے ہیں۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں **وَھُوَ اَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا عِبَادَةَ كَالْفِكْرِ** مظاہر کائنات میں غور وفکر کرتے رہنا سب عبادتوں سے افضل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تفکر وتدبر کے ہم پایہ کوئی عبادت نہیں لیکن آج ہم اس افضل ترین عبادت سے کیسے اعراض کئے ہوئے ہیں اور کس طرح ہم نے صدیوں سے بالکل بھلا رکھا ہے۔ محتاج بیان نہیں (ضیاء القرآن ج ا ص 306)

حضرت مولانا محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں دل وزبان اور جوارح ہر حالت میں ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔(بیضاوی۔فوائد سلفیہ المسمی بہ اشرف الحواشی ص 91)

حضرت مولانا صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں۔ اہل دانش کی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ایسے لوگ جو ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی تخلیق اور اس کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جن سے خالق کائنات کی عظمت وقدرت، اس کی علم واختیار اور اس کی رحمت وربوبیت کی صحیح معرفت انہیں حاصل ہوتی ہے۔(قرآن مجید مع اردو ترجمہ وتفسیر ص 197)

شیخ المکرم حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان صاحب دامت برکاتہم ومدفیوضہم لکھتے ہیں۔

''پہلا قدم ذکر قلبی ہے اور دل جب ذاکر ہو جائے تو پھر ہر دھڑکن میں خدا جانے کے بار اللہ اللہ کہہ اٹھتا ہے اس کے ذاکر ہونے کی نشانی یہ ہے کہ فضولیات سے رشتہ توڑ لیتا ہے اس کی نگاہ بلند ہو جاتی ہے اس میں تفکر پیدا ہوتا ہے یہ آلِ کار کو دیکھنے لگ جاتا ہے حتیٰ کہ ارض وسما اور مافیہا کو دیکھ کر کہہ اٹھتا ہے اے سب کو پالنے والے اتنا بڑا کارخانہ تو نے محض عبث نہیں بنایا۔'' (اسرار التنزیل ج ا ص 439)

مزید تفصیلی مطالعہ مطلوب ہو تو حضرت امیر المکرم زیدمجدہ کی تفسیر اکرم التفاسیر ج4 ص 371 تا 386) کا مطالعہ کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القرآن ج دوم ص 263 تا 269) اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی کتاب فضائل اعمال، فضائل ذکر کے صفحات 435 تا 438 کا مطالعہ فرمائیں۔

آپ نے مطالعہ فرمایا مفسرین کرامؒ درج بالا تمام حوالہ جات میں اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ سے ذکر، دوامِ ذکر (ہر وقت ذکر ہر حال میں ذکر) اور لسانی ذکر کے علاوہ قلبی ذکر (دل سے ذکر) کی تاکید فرماتے ہیں احادیث مبارکہ میں ذکر خفی (قلبی) کی بہت فضیلت آئی ہے۔ نبی رحمت ﷺ کا سنت طریقہ بھی یہی ہے۔اس کا ایک طریقہ پاس انفاس ہے۔

حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی فرماتے ہیں۔

بیشک ذکر پاس انفاس صفائی باطن میں عجیب اثر رکھتا ہے لیکن ابتداء امر

میں تو ذاکر اس کے شغل میں مجاہدہ کرتا ہے اجراء کے بعد ذکر خود بخود قلب ذاکر پر ایسا استیلا پاتا ہے کہ اس کو نہیں چھوڑتا اور یہی ذکر وظیفہ مردان حق ہے۔

نفس کی آمد شد ہے نماز اہل حیات
جو یہ قضا ہو تو اے غافلو قضا سمجھو

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اپنے مکتوب گرامی بنام حافظ محمود حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ضبط پاس انفاس اور حرکات لطائف جہاں تک ہو سکے کرتے رہو اور جب غفلت آوے اور غفلت انسان کو ہے تو پھر متنبہ ہو کر گریہ زاری اور دعا کرو کہ الٰہی تیرا بندہ ہوں تو مجھ کو اپنے ذکر سے غافل مت کر اور غفلت پر استغفار و ندامت کو لازم کرو اگر رونا نہ آسکے تو رونا لاؤ۔شغل اسم ذات معمولی طرح پر جس قدر ہو سکے بعد رمضان زیادہ کر دینا مگر آدمی کی زبان سے جو کلمہ ذکر نکل جاوے اگر چہ ایک بار ہی ہو بہت غنیمت ہے۔

دنیا و مافیہا سے ایک لفظ بہتر ہے۔سو کاروبار کرتے کرتے بھی اللہ اللہ کرتے رہیے اور کچھ شمار کی حاجت نہیں چلتے پھرتے بھی اسی میں غرض ذکر کرنا ہے سانس سے حرکت سے زبان سے کثرت ذکر ہووے۔(ماہنامہ سلوک و احسان، کراچی۔ص نمبر 15۔جلد 2 شمارہ 2 صفر 1410ھ)

پاس انفاس وغیرہ سب حیل اس کے ہیں کہ ذکر محیلہ میں قائم ہو جائے ورنہ اصل مقصود نہیں جب ذکر ذات قائم ہو جائے تو زبان اور انفاس کسی کی ضرورت نہیں (مکاتیب رشیدیہ 16)

قارئین کرام اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ بھی ذکر خفی قلبی کی دولت حاصل کر کے اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ ج کی عملی مثال بن سکیں تو دارالعرفان منارہ (واقع چکوال خوشاب روڈ) تشریف لائیں۔ رابطہ نمبر:0543-562200

میرے مہربان

(شیخ المکرم کے حضور نذرانہ عقیدت)

زندگی تھی صحرا، ہر خواہش اِک سراب
تپتا دُکھوں کا سورج، سایہ اِک خواب

جی رہے تھے آگ کے کنارے کنارے ہم
اور تھے گلے میں کچھ طوق بھی نہ کم

پھرتے تھے بدن میں لیے روح کا لاشہ
کھو چکی تھی حقیقت، بس رہ گیا تماشہ

اس حال میں رَب کی رحمت کو جوش آیا
مِٹ گئی غفلت، اور دل کو ہوش آیا

اِک مہربان و کامل اس زندگی میں آیا
ہے ماں جیسی شفقت اور باپ جیسا سایہ

دل کی زمین کو اس نے اِک گلستان بنایا
اس کی فضا میں کیا خوب عشقِ نبیؐ بسایا

ہم سے زیادہ ہماری خیر خواہی کرنے والے
دور ہمارے دلوں کی سیاہی کرنے والے

اللہ کرے عطا تجھے وہ مقامِ بندگی
ہو رشکِ ملائکہ و اولیاء تیری زندگی

سالکہ اویسی

ظاہر و باطن پر حالات کا اثر

یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ انسان کی حالت یکساں نہیں رہا کرتی۔ بلکہ اس پر مختلف حالات کا دورہ ہوتا رہتا ہے۔ کبھی گوارا واقعات پیش آتے ہیں کبھی ناگوار، گوارا واقعات کا اثر تو یہ ہے کہ اس سے دل میں نشاط و انبساط ہوتا ہے۔ فرحت و سرور کا غلبہ ہوتا ہے یہ تو باطنی اثر ہے اور ظاہری اثر یہ ہے کہ اس حالت میں انسان جو کام کرنا چاہتا ہے خوشی خوشی کر لیتا ہے۔ ہر کام میں دل لگتا ہے بلکہ کام کرنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے اور جو شخص جس کام کا پابند ہے اس کو پابندی کے ساتھ کرتا رہتا ہے۔ نشاط اور انبساط کی حالت میں دنیا اور دین دونوں کے کام خوبی چلتے رہتے ہیں۔ گو کوئی شخص سستی و کاہلی یا غفلت و لاپرواہی کی وجہ سے کچھ نہ کرے مگر اس حالت کا اثر یہی ہے کہ اگر کام کرنا چاہے تو کر سکتا ہے صرف ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد کوئی مانع نہیں ہوتا۔

ناگوار واقعات کی خاصیت یہ ہے کہ ان سے دل میں انقباض اور بستگی پیدا ہو جاتی ہے۔ رنج و غم کا غلبہ ہوتا ہے۔ طبیعت پژمردہ مرجھائی سی رہتی ہے۔ یہ تو باطنی اثر ہے اور ظاہری اثر یہ ہوتا ہے کہ پریشانی بڑھ کر افعال میں اختلال ہو جاتا ہے کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ ہر وقت قلب پر ایک فکر سوار ہے جو ہر کام میں ساتھ رہتی ہے جس کی وجہ سے اول تو کچھ کام ہی نہیں ہوتا اور جو ہوتا ہے تو انتظام کی پابندی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ غرض دین و دنیا دونوں کاموں میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ رنج و غم فکر و پریشانی حدوث ارادہ عمل سے بھی مانع ہوتا ہے اور بقاء ارادہ کو بھی مانع ہوتا ہے۔

اس وقت مجھے اختلال اُمور دنیا سے تو چنداں بحث نہیں کیونکہ اول تو اس کا ضرر مقابلہ دین کے اشد نہیں۔ دوسرے اُمور دنیا کے اختلال کا ضرر امر محسوس ہے۔ اس کی طرف چند روز میں خود بخود توجہ ہو جاتی ہے مثلاً کسی کے گھر میں دکان ہے روزانہ دو چار روپے آتے تھے۔ اب پریشانی میں دکان کے بند ہونے سے وہ آمدنی بند ہوگئی تو وہ چار دن کے بعد اس ضرر کا احساس خود بخود ہو جاتا ہے وعلیٰ ہذا جو شخص دنیا کمانے کا جو طریقہ بھی اختیار کیے ہوئے ہے اس کے بند ہونے کا ضرر اسے جلد ہی محسوس ہو جاتا ہے اس لیے مجھے اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

دین پر مصیبت کا اثر

میں اس وقت اعمال دین کے اختلال پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ مصیبت کا اثر دین پر یہ ہوتا ہے کہ معمولات میں اختلال ہو جاتا ہے۔ انسان مصیبت سے پہلے جن اوراد کا پابند ہوتا ہے مثلاً ذکر و شغل یا نماز و تلاوت قرآن وغیرہ کا۔ مصیبت کے وقت ان سب میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض تو فرائض و واجبات کو بھی ناغہ کر دیتے ہیں اور جو دیندار کہلاتے ہیں وہ فرائض و واجبات کو ترک نہیں کرتے۔ مگر معمولات زائدہ کو وہ بھی ناغہ کر دیتے ہیں اور ناگوار واقعات کا اثر بہت سخت ہے۔ کیونکہ یہ دین کا ضرر ہے اور مسلمان کے نزدیک دین دنیا سے مقدم ہے اس لیے اس کا ضرر بھی دنیا سے اشد ہے اور اس پر متنبہ کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ دین کا ضرر امر محسوس نہیں فرض نماز یا تہجد یا ذکر، تلاوت قرآن کے ناغہ کرنے سے کوئی ظاہری آمدنی بند نہیں ہوتی۔ تو اس کے ضرر کا احساس بھی جلدی نہیں ہوتا۔ نیز اس ضرر پر کوئی

عزیز یا خیر خواہ بھی متنبہ نہیں کرتا۔

حتیٰ کہ مشائخ و معلمین کی بھی یہ عادت ہے کہ جب ان کے کسی مرید وغیرہ پر مصیبت آتی ہے تو اس کو صرف جزع وفزع نہ کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اور عام طور پر صبر وشکر کی تعلیم اس معنی میں کی جاتی ہے کہ (جزع وفزع نہ کرو) اس پر نظر نہیں ہوتی کہ اس ناگوار واقعہ سے ان اُمور میں خلل پڑ گیا ہے جن کا یہ پہلے سے پابند تھا۔ ان طاعات و عبادات میں بھی گڑبڑی ہوگئی ہے جو پہلے سے مامور بہ ہیں نہ اس ضرر پر اس کو متنبہ کیا جاتا ہے۔

منشا غلطی کا یہ ہے کہ طاعات معمول کی پابندی کو عموماً حقیقت صبر سے خارج سمجھا جاتا ہے اور اس کے خلل کو نقصان صبر پر محمول نہیں کیا جاتا۔ بس جو شخص مصیبت کے وقت جزع وفزع نہ کرے، اس کو بڑا صابر اور مستقل مزاج سمجھتے ہیں، گو اس کے معمولات میں کیسا ہی خلل ہو گیا ہو۔ یہ ایک عام سی غلطی ہے جس پر عوام تو کیا خواص کی بھی نظر نہیں۔ اس لیے میں اس وقت اس پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ لوگوں کی نظر ناگوار واقعات کے صرف پہلے اثر پر ہے۔ جو قلب پر واقع ہوتا ہے۔ دوسرے اثر پر جو اعمال پر واقع ہوتا ہے بالکل نظر نہیں کی جاتی۔۔۔ دوسروں کی تو کیا شکایت خود صاحب واقعہ کو بھی اس پر نظر نہیں ہوتی۔ اگر کسی وقت کسی کی نظر ہوئی بھی تو صرف اس قدر کہ پریشانی میں فرائض وواجبات میں اگر خلل آنے لگا تو دینداروں کو اس وقت کچھ تنبہ ہو جاتا ہے۔ مگر سنن و مستحبات کے اختلال پر ان کو بھی بہت کم تنبہ ہوتا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ سنن وزائد و مستحبات کے متعلق یہ اعتقاد جما ہوا ہے کہ ان کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں گناہ نہیں۔ اس لیے ان کے ناغہ ہونے کو سہل بات سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن زائدہ اور مستحبات کا یہ حکم قبل شروع کے ہے۔ اور شروع کے بعد ان کا حکم بدل جاتا ہے۔

چنانچہ ایک حکم تو عین وقت اشتغال کے ساتھ مختص ہے۔ وہ ہے کہ شروع کرنے کے بعد مستحب کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور ایک حکم عام ہے جو وقت اشتغال کے ساتھ مختص نہیں۔ وہ یہ کہ جس مستحب کو معمول بنا لیا جائے اور کچھ عرصہ تک اس پر مواظبت کر لی جائے۔ اب اس کا ناغہ کرنا اور مواظبت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ اور اس کی دلیل ایک حدیث بخاری کی ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

یا عبد الله لا تکن مثل فلان کان یقوم من اللیل ثم ترکه

"یعنی اے عبداللہ! تم فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا جو رات کو (نماز کے لیے) اُٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔"

اس میں حضور ﷺ نے اس شخص کی اس حالت پر ناگواری اور کراہت ظاہر فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک مستحب کو معمول بنا کر ترک کر دینا مذموم و مکروہ ہے۔

قلت بوب علیه البخاری مایکره من ترک قیام اللیل من کان یقومه قال الحافظ ای اذا شعر ذلک بالاعراض عن العبادة قال وفیه استحباب الدوام علی ما اعتاده المؤمن علی الخیر من غیر تفریط ویستنبط منه کراهة قطع العبادة وان لم تکن واجبة اھ (ص ۳۰ ج ۳ فتح الباری ۱۲ جامع)

میں کہتا ہوں اس پر بخاری نے یوں باب باندھا ہے "جو شخص رات کو اٹھا کرتا تھا اس کے لیے ترک قیام مکروہ ہے حافظ نے فرمایا جبکہ خیال یہ گزرے کہ وہ عبادات سے اعراض کر رہا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اس سے نیکی کی عادت پر مداوت کا مستحب ہونا نکلتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مداومت اگرچہ واجب نہ ہو تب بھی اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔

پابندی کے اثرات

اسی لیے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ فرائض وواجبات کے علاوہ نوافل وغیرہ کا اتنا ہی پابند ہو جس کو نباہ سکے ورنہ شروع ہی نہ کرے۔ اس سے بڑی بے برکتی ہوتی ہے اور انسان کی عادت یہ ہے کہ جب ایک کام

کا پابند ہو پھر اس میں فتور ہونے لگے تو اس کا خلل ممتد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس عمل پر تو پھر عمر بھر بھی پابندی نصیب نہیں ہوتی اور اس سے گزر کر دوسرے اعمال میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ آج تو تہجد میں فتور ہے کچھ دنوں میں صبح کی نماز کی پابندی بھی نہ رہے گی۔ پھر وقت کی پابندی بھی نہ رہے گی۔ نماز قضا ہونے لگے گی اور یہ سارا افساد ایک مستحب کی پابندی چھوڑنے سے ہوا۔

اس کے علاوہ ترک پابندی میں ایک اور خرابی اس سے بھی سخت ہے وہ یہ کہ شریف طبائع کا خاصہ ہے اور مسلمان سب شریف ہی ہیں کہ جب وہ کسی سے ایک خاص قسم کا برتاؤ شروع کرتے ہیں تو جب تک اس برتاؤ کا نباہ ہوتا رہے اس وقت تک تو ان کے دل میں تعلق بھی بڑھتا رہتا ہے اور جب وہ برتاؤ چھوٹ جاتا ہے تو سب سے پہلے اس صاحب برتاؤ ہی کے دل میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے پھر جب دوسرے کو بھی اس کی رکاوٹ کا احساس ہو جاتا ہے وہ بھی رکنے لگتا ہے۔

مثلاً ایک دوست کے ساتھ آپ کا ہمیشہ سے یہ برتاؤ کہ جب آپ اس سے ملنے جائیں کچھ ہدیہ اور تحفہ ساتھ لے جائیں۔ پھر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ خالی ہاتھ چلے گئے تو ہر شخص اپنے دل میں غور کرے کہ اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی۔ یقیناً خالی ہاتھ جاتے ہوئے دل رکے گا۔ اور ایک قسم کی شرمندگی اس پر طاری ہوگی، گو دوسرے کو اس کے خالی ہاتھ آنے کی طرف التفات بھی نہ ہوا ہو مگر اس کے دل میں خود بخود یہ وسوسے دوڑیں گے کہ آج میرے خالی ہاتھ آنے سے دوست کو ضرور کچھ خیال ہوگا وہ اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ بس اب وہ تعلق نہیں رہا۔ وہ محبت نہیں رہی۔ چاہے اس کے دل میں کچھ بھی نہ آیا ہو۔ مگر یہ اپنے معمول کے خلاف کرنے سے ان اوہام میں ضرور مبتلا ہوتا ہے اور یہ طبعی بات ہے۔

اس رکاوٹ کا بیج تو آج ہی سے بویا گیا۔ اس کے بعد یہ ہوگا کہ ایک دفعہ تو خالی ہاتھ بھی چلا گیا تھا۔ اب مہینے گزر جاتے ہیں کہ جانے کا نام بھی نہیں لیتا۔ دور ہی سے خط کے ذریعے سے بات چیت کر لیتا ہے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد خط و کتابت کا سلسلہ بھی بند ہو جاتا ہے اور دوسرے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مجھ سے رکنے گا۔ اب وہ بھی اس سے رکنے لگتا ہے اور محبت مبدل بعدم محبت ہو جاتی ہے پھر عدم محبت کے بعد کبھی عداوت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

اسی طرح جب کوئی شخص تہجد یا ذکر و شغل شروع کرتا ہے تو جب تک وہ ان کا پابند رہے اس وقت تک اس کے دل میں حق تعالیٰ سے تعلق اور محبت کی ترقی ہوتی رہتی ہے اور جب پابندی چھوٹی تو پہلے اسی کی طبیعت میں افسردگی اور پژمردگی پیدا ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ سے اس کو ایک قسم کی ندامت سی آتی ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب حق تعالیٰ کے یہاں میرا وہ رُتبہ نہیں رہا ہوگا جو پابندی اعمال کے وقت تھا۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ میں مردود و مطرود ہو گیا تو پہلے خود اس کے دل میں حق تعالیٰ سے حجاب اور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے پھر بیچ بچ ادھر سے بھی بُعد و حجاب ہو جاتا ہے۔

ترک معمول کے نتائج

پس ترک معمول سے اول اس کے دل میں افسردگی کا پیدا ہونا یہ پہلا حجاب ہے اور محبت کا خاصہ ہے کہ اس کو نشاط و انبساط سے ترقی ہوتی ہے اور افسردگی سے اس میں کمی آتی ہے۔ جب ایک مرتبہ دل میں افسردگی اور پژمردگی پیدا ہو جاتی ہے تو تعلق سابق میں ضرور کمی آتی ہے۔ پھر یہ خیال پیدا ہوتا کہ میں مردود و مطرود ہو گیا۔ دوسرا حجاب ہے اس وقت اس کے دل میں سے محبت نکل جاتی ہے اور قلب خالی ہو جاتا ہے۔ پہلے درجہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجاب نہ ہوا تھا۔ مگر اب ادھر سے بھی حجاب ہو گیا۔

پھر جب مردودیت کا خیال جم کر اس کے قلب سے محبت حق نکل جاتی ہے تو واجبات و فرائض میں بھی کوتاہی کرنے لگتا ہے اور معاصی پر اقدام کرنے لگتا ہے اور دل میں سمجھتا ہے میں مردود تو ہو ہی گیا۔ پھر لذات نفس میں کیوں کمی کروں۔ یہ تیسرا حجاب ہے۔ اس وقت محبت مبدل بعداوت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بعض اوقات کفر کی سرحد سے

قریب ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ایمان تک سلب ہو جاتا ہے۔

میرٹھ میں ایک کوتوال تھے وہ بہت ظلم کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ میں جہنم میں تو جاؤں ہی گا۔ پھر رشوت اور ظلم میں کمی کیوں کروں۔ یہ حالت سخت حجاب کی دلیل ہے۔ مگر نہ معلوم کس بزرگ کی توجہ کا اثر ہوا یا کون سا عمل ان کا قبول ہو گیا کہ ان کا خاتمہ اور انجام اچھا ہوا۔

ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

انہوں نے تو اپنی طرف سے خاتمہ بُرا ہونے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ حق تعالیٰ ہی نے دستگیری فرمائی اور اس تمام حالت کا منشا اور سرچشمہ وہی افسردگی ہے جو اول اول معمولات سابقہ میں کوتاہی کرنے سے قلب میں پیدا ہوتی ہے۔

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء نے ''فوائد الفواد'' میں حجابات کی سات قسمیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ غفلت و اعراض بھی ہے جس کا اثر افسردگی ہے اور بقیہ چھ درجے ہیں۔ حجاب، تفاضل، سلب مزید، سلب قدیم تسلی اور عداوت۔

یعنی اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت و توبہ نہ کی، حجاب ہو گیا۔ اگر پھر بھی اصرار رہا، تفاضل ہو گیا۔ اگر اب بھی استغفار نہ کی تو عبادت میں جو ایک زائد کیفیت، ذوق و شوق کی تھی وہ سلب ہو گئی۔ یہ سلب مزید ہے اگر اب بھی اپنی بے ہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت و حلاوت کی زیادتی کے قبل اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گئی، اس کو سلب قدیم کہتے ہیں۔ اگر اس پر بھی توجہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل سے گوارا کرنے لگا، یہ تسلی ہے۔ اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بہ عداوت ہو گئی نعوذ باللہ منہا۔

اس لیے مستحبات معمولہ کو ترک کرنا سہل بات نہیں۔ اس کا اثر بہت دور تک پہنچ جاتا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ آدمی جس قدر مستحبات و نوافل زیادہ کرتا ہے وہ اسی قدر مقرب ہوتا ہے۔ پھر تقرب کے بعد حق تعالیٰ سے بے التفاتی کرنا سخت بات ہے۔ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہمارے مذاق کے موافق معاملہ فرماتے ہیں۔

غائب کا ظاہر پر اثر

عالم ظاہر عالم غیب کا نمونہ ہے۔ پس جیسا ہمارا مذاق یہ ہے کہ جس کو اپنے سے تعلق زیادہ نہیں ہوتا۔ اس کی بے التفاتی زیادہ ناگوار نہیں ہوتی اور تعلق بڑھا کر جو التفاتی و بے اعتنائی کرتا ہے اس پر زیادہ غصہ آتا ہے۔ ایسے ہی حق تعالیٰ کے ساتھ جن کو معمولی تعلق ہے ان کی غفلت و بے اعتنائی پر زیادہ قہر نہیں ہوتا اور جو تعلق بڑھا کر مقرب بن کر غفلت و بے التفاتی کا برتاؤ کرتے ہیں ان پر زیادہ قہر ہوتا ہے۔

پس جو لوگ مستحبات و نوافل پر مواظبت کر کے پھر ترک مواظبت اختیار کرتے ہیں وہ درباری بن کر دربار سے غیر حاضر ہوتے ہیں اور بادشاہ کا درباری اگر دربار سے بلا وجہ، بلا عذر کے غیر حاضر ہونے لگے تو اس پر بہ نسبت غیر درباری کے زیادہ عتاب ہو گا۔ اور اگر ترک مواظبت علی المستحبات سے گزر کر وہ فرائض و واجبات میں بھی کوتاہی کرنے لگے۔ معاصی پر بھی اقدام کرنے لگے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مقرب شاہی بن کر نافرمانی اور گستاخی کرنے لگے اور ظاہر ہے کہ مقرب کی گستاخی پر جس قدر عتاب ہو گا ایک غیر مقرب مثلاً دیہاتی یا گنوار کی گستاخی پر اتنا عتاب نہ ہو گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ناگوار واقعات کا یہ اثر بہت سخت ہے کہ ان سے بعض اوقات اعمال میں تقلیل ہونے لگتی ہے۔ لوگ مصائب کا حق صرف اتنا سمجھتے ہیں کہ ایسے مواقع پر جزع و فزع نہ کیا جائے اور اسی کو کمال صبر سمجھتے ہیں۔ اس پر کسی کی نظر نہیں کہ ناگوار واقعات کا یہ بھی ایک حق ہے کہ اس وقت اعمال سابقہ میں کمی نہ کی جائے اس کو تو صبر میں داخل ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ معمولات ترک کرنے کا ضرر بہ نسبت جزع و فزع کے ضرر کے بہت زیادہ ہے کیونکہ جزع و فزع کا اثر محدود و غیر ممتد ہے اور اس میں انسان کسی قدر معذور بھی شمار ہو سکتا ہے اور تقلیل اعمال کا ضرر ممتد ہے جو بہت دور تک پہنچتا ہے اور اسی لیے مصیبت کے وقت معمولات پر جمار ہنا صبر کا جزو اعظم ہے۔

خواتین کا صفحہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ اسد

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب: آپؓ کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا تھا۔ والد کا نام اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ گویا آپؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد حضرت عبد المطلب کی بھتیجی تھیں۔

نکاح: آپؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق چچا جناب ابو طالب سے ہوا۔ انہیں سے شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ پیدا ہوئے۔ یعنی آپؓ آنحضرت کی حقیقی چچی، سمدھن اور خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی خوش دامن تھیں۔

پہلی ہاشمی خاتون: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بچپن ہی سے نہایت اعلیٰ اوصاف وخصائل کی مالک تھیں۔ چنانچہ حضرت عبد المطلب کی گوہر شناس نظر نے انہیں اپنی بہو بنانے کے لیے منتخب کرلیا۔ جناب ابو طالب سے ان کے چار فرزند اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ طالبؓ، عقیلؓ، سہیل موتہؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور شیرِ خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے بطن سے ہوئے۔ بیٹیاں اُم ہانی، ربطہ اور جمانہ تھیں۔

یہ پہلی ہاشمی خاتون تھیں جن سے اولاد پیدا ہوئی۔

علامہ ابنِ عبد البرؒ نے "استیعاب" میں لکھا ہے۔

ھی اول ھاشمیۃ ولدت لھاشمی (یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جن سے ہاشمی اولاد پیدا ہوئی)۔

قبولِ اسلام: بعثت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو بنو ہاشم نے سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ حضرت فاطمہؓ کے فرزند حضرت علیؓ اسلام قبول کرنے والے اولین جوان تھے۔ خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ابتدائے دعوت میں سعادت اسلام سے بہرہ مند ہوئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت جعفرؓ بھی اسلام میں داخل ہوگئے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مشغولِ عبادت تھے۔ جناب ابو طالب نے انہیں دیکھا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل ہونے کا کہا۔ "اے بیٹے تم بھی اپنے ابنِ عم کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ" حضرت جعفرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ عبادت میں انہیں اس قدر لطف آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں پناہ گزین ہونے سے پہلے ہی مشرف اسلام ہوگئے۔

جناب ابو طالب کا انتقال: جناب ابو طالب، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ سخت ناساعد حالات میں جب تمام قریش نے بنی ہاشم سے مقاطعہ کرلیا تھا اور انہیں شعب ابی طالب میں تین برس کے لیے محصور کر دیا، ہر طرح کا لین دین ختم کر دیا کہ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی وہ سوکھے پتے اور جلا ہوا چمڑہ کھانے پر مجبور ہوگئے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ ساتھ بنی ہاشم ہی نے دیا۔

حضرت عبد المطلب کی وفات کے بعد جناب ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کی اور ناساعد ترین حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وحمایت میں جان کی بازی لگا دی۔ 10 نبوی میں چچا کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا ساتھ دیا۔ مسلسل تین برس تک حضرت

فاطمہؓ اور تمام اہل خانہ نے نہایت استقامت کے ساتھ مصائب اور پابندیوں کا مقابلہ کیا۔ ایسے عالم میں وہ اپنے فرزندوں سے بڑھ کر آپ ﷺ پر شفیق تھیں۔

حضور ﷺ نے اُن کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی:

لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ بَعْدَ اَبِي طَالِبٍ اَبَرَّبِي مِنْهَا (ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ مجھ پر کوئی مہربان نہ تھا)

ہجرت مدینہ: جب تمام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ملا تو آپؓ نے بھی ہجرت کی اور مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔ ہجرت کے موقع پہ ان کے لختِ جگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور اکرم ﷺ انہیں اپنے بستر پہ سُلا کر سفر ہجرت پہ روانہ ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح: ہجرت نبوی ﷺ کے دو یا تین سال بعد آپؓ کے فرزند حضرت علیؓ کا نکاح بنتِ رسول ﷺ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ اس موقع پہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ فاطمہؓ بنت اسد سے مخاطب ہو کر فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی آئی ہیں، میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپؓ کی مدد کریں گی۔" (اسد الغابہ ج5۔ ص517)

حضور ﷺ کی محبت: حضور ﷺ کو حضرت فاطمہؓ بنت اسد سے بہت محبت تھی اور انہیں اپنی ماں کی طرح چاہتے تھے۔ اکثر ان سے ملنے تشریف لے جاتے اور اُن کے گھر پہ آرام فرماتے۔

وفات: حضرت فاطمہؓ نے ہجرت کے چند سال بعد رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں وفات پائی۔ حضور ﷺ نے اُن کی وفات کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ آپ ﷺ ان کی وفات کی خبر سے سخت ملول ہوئے اور فوراً اُن کی میت پہ تشریف لائے۔ اشک مبارک رواں تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے۔ "اے میری ماں! اللہ آپؓ پر رحم کرے، آپؓ میری ماں کے بعد میری ماں تھیں۔ آپؓ خود بھوکی رہتی تھیں اور مجھے کھلاتی تھیں، آپؓ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی تھی لیکن آپؓ مجھے پہناتی تھیں۔" (تذکار صحابیات 9-145)

اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل خانہ کو اپنی قمیض مبارک مرحمت فرمائی اور ہدایت کی انہیں میری قمیض کا کفن پہناؤ۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کو حکم دیا کہ جنت البقیع میں ان کی قبر کھودیں۔ جب وہ قبر کا کچھ حصہ کھود چکے تو آپ ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے لحد کھودی اور خود ہی مٹی نکالی اور پھر آپ ﷺ لحد کے اندر لیٹ گئے اور دُعا فرمائی: "الٰہی میری ماں کی مغفرت فرما اور ان کی قبر وسیع کردے"۔ پھر آپ ﷺ قبر سے باہر تشریف لائے۔ شدت غم سے رُخساروں پہ آنسو رواں تھے۔ لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا: "ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے مہربانی نہیں کی۔ میں ﷺ نے انہیں اپنی قمیض اس لیے پہنائی کہ انہیں جنت میں حُلہ ملے اور قبر میں اس لیے لیٹا کہ شدائد قبر میں آسانی ہو۔"

اخلاق: "اصابہ" میں ہے:

کانت امرأۃ صالحۃ وکان النبی ﷺ یزورھا ویقیل فی بیتھا (وہ نہایت صالح خاتون تھیں۔ آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لاتے اور آرام فرماتے تھے)

"دُرِ منثور" میں ہے: "یہی فاطمہؓ ہیں جن کے فضائل و مآثر کتب سیر میں مذکور ہیں۔"

ضرورت رشتہ

ہمارے تین بیٹے جن کے کوائف درج ذیل ہیں، کے لیے مناسب رشتہ کی ضرورت ہے۔

۱۔ بیٹا: عمر 28 سال، بزنس مین، نیشنلٹی ہولڈر، ساؤتھ افریقہ

۲۔ بیٹا: عمر 27 سال، ایم ایس سی، الیکٹریکل انجینئر

۳۔ بیٹا: عمر 25 سال، ایم فل اکنامکس

سلسلہ عالیہ سے منسلک والدین جن کی بیٹیاں 17 سے 25 سال کی عمر کی ہوں اور تعلیم کوئی بھی ہو، رابطہ کریں۔ ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی۔

خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں۔

رابطہ نمبر: 0302-9538102، 0315-7045571، 0323-7010015

بچوں کا صفحہ

قسط نمبر 14

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ع خان، لاہور

ہجرت کا چوتھا سال:

اس سال جو دو بے حد اہم واقعات پیش آئے اُن میں سے ایک غزوہ بدر صغریٰ ہے۔ دوسرا حضرت حسینؓ کی پیدائش مبارک ہے۔

غزوہ بدر صغریٰ:

ابوسفیان نے غزوہ احد سے لوٹتے ہوئے کہا تھا کہ آئندہ سال پھر بدر پہ لڑائی ہوگی۔ جب وقت قریب آ گیا تو ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی تو یہ سوچ کر کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی بدر نہ جائیں اور اس طرح اہل قریش کو بدر نہ جانے کی شرمندگی نہ ہو۔ ایک شخص جس کا نام نعیم بن مسعود تھا مدینہ بھیجا تا کہ مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے بڑے لشکر جمع کرنے کی خبر پہنچا کر ڈرا دے لیکن مسلمان کفار سے کہاں ڈرنے والے تھے چنانچہ آپ ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر بدر تشریف لے گئے اور چند روز قیام کیا مگر کوئی مقابلے کے لئے نہ آیا۔ مسلمانوں نے وہاں تجارت میں خوب نفع حاصل کیا۔ اس غزوہ کو بدر ثانی، بدر صغریٰ اور بدر موعد بھی کہتے ہیں۔ چند روایات کے مطابق یہ واقعہ شعبان میں اور بعض دوسری روایات کے مطابق ذیقعدہ میں ہوا۔

ہجرت کا پانچواں سال:

☆ ہجرت کے پانچویں سال تقریباً چھ غزوات و سرایا ہوئے، جن میں غزوۂ خندق یا غزوہ احزاب بھی شامل ہیں۔ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جویریہؓ سے نکاح مبارک فرمایا۔

☆ اسی سال صلوٰۃ الخوف کا حکم بھی نازل ہوا۔

☆ چند روایات کے مطابق ہجرت کے پانچویں سال پردہ کی آیات نازل ہوئیں، جبکہ چند دوسری روایات کے مطابق ہجرت کے پہلے ہی سال پردہ کا حکم آ گیا تھا۔

ہجرت کا چھٹا سال:

☆ اس سال بہت سے غزوات و سرایا ہوئے، جن میں غزوۂ خیبر، غزوہ بن لحیان، سریہ نجد، سریہ دومتہ الجندل، غزوۂ غابہ، سریہ ابی بکرؓ، سریہ عمرؓ، سریہ عبداللہ بن رواحہؓ، سریہ بشیر بن سعد، سریہ غالب بن عبداللہ، سریہ ابی حدرد اسلمی، سریہ عبداللہ بن حذافہ شامل ہیں، اگرچہ ان کے علاوہ چند اور سرایا بھی ہوئے۔

☆ اسی سال صلح حدیبیہ کا واقعہ بھی پیش آیا۔ جس کی تفصیل آگے آپ کو بتائیں گے۔

☆ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت صفیہؓ سے نکاح مبارک بھی فرمایا۔ ہجرت کا چھٹا سال تھا جب خیبر میں ایک یہودی عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دعوت پر بلایا اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک لقمہ منہ مبارک میں رکھا اور فرمایا، اس (دستی کے گوشت نے) مجھ سے کہا ہے کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔

☆ اس سال قحط پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارش کی دعا فرمائی جس کے بعد خوب بارش ہوئی اور قحط ختم ہو گیا۔

☆ ہجرت کے چھٹے سال بہت سے مہاجرین حبشہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔

صلح حدیبیہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خواب مبارک میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ ادا فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے

صحابہ کرامؓ سے اپنا خواب بیان فرمایا تو سب ہی شوق سے بے قرار ہو گئے اور مکہ معظمہ کی طرف سفر کی تیاری کر لی۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ ﷺ کو بشر بن سفیان کعبی نے آ کر اطلاع دی کہ کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر یہ متحدہ فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو عمرہ ادا نہیں کرنے دیا جائے، چاہے اس کے لئے جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جنگ کے ارادے سے آئے ہی نہیں۔ مسلمانوں کے آنے کا مقصد تو صرف عمرہ کی ادائیگی ہے۔ بالآخر مسلمانوں نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ پانی کی سخت قلت تھی، جس سے مسلمانوں کو بہت تکلیف تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے حضور یہ مسئلہ عرض کیا گیا کہ پورے قافلے کے پاس اس وقت پانی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کچھ پانی ہے تو وہ لے آؤ۔ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا کہ اس کے علاوہ پورے قافلے والوں کے پاس اور پانی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے دست مبارک اس پانی میں رکھ دیا، پانی آپ ﷺ کی انگلیوں مبارک سے چشمہ کی مانند نکلنے لگا۔ تمام لشکر نے سیراب ہو کر پیا، لوگوں نے اپنے برتن اور مشکیزے بھر لئے اور وضو کر لیا۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کتنے آدمی تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ پانی اس قدر تھا کہ اگر لاکھوں بھی ہوتے تو سیراب ہو جاتے۔

جب آپ ﷺ کو اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس مقام پہ کچھ وقت گزرا تو قبیلہ خذاعہ کے لوگ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آنے کا مقصد دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے ان سے بھی وہی بات کہی جو بشر بن سفیان کعبی سے فرمائی تھی کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے، ہم تو صرف عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں نے جا کر کفار مکہ کو اصل بات بتائی کہ تم لوگ جلد بازی میں غلط سمجھ رہے ہو، مسلمانوں کا ارادہ جنگ کرنے کا ہرگز نہیں ہے لیکن کفار اپنی ڈھٹائی پر جم گئے کہ وہ مسلمانوں کو عمرہ بھی ادا نہیں کرنے دیں گے۔ پھر بہت سے لوگ کفار کی طرف سے آئے اور جا کر انہیں سمجھاتے رہے۔ مروہ بن مسعود ثقفی نے تو جا کر یہ بھی بتایا کہ میں نے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر جیسا محمد ﷺ کے اصحابؓ کو جانثار اور تابعدار پایا کسی بادشاہ کے نمک خوار کو ایسا نہیں دیکھا۔ وضو کے پانی کو اس طرح تبرکاً لیتے ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر لڑائی ہو جائے گی۔ آپ ﷺ تھوکتے ہیں تو آپ ﷺ کا تھوک مبارک اٹھانے میں ایک دوسرے سے مسابقت کرتے ہیں اور جس کے ہاتھ لگ جائے وہ اسے اپنے ہاتھ چہرہ اور جسم پر ملتا ہے۔ آپ ﷺ کے بال مبارک گرنے نہیں پاتا کہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے ہیں تو وہ سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی عظمت و بزرگی کا پاس کر کے آپ ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

مسلمانوں کی طرف سے حضرت عثمانؓ کو مکہ مکرمہ کی طرف بھیجا گیا تا کہ وہ جا کر مسلمانوں کی آمد کی غرض بیان کر سکیں۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی حضرت عثمان غنیؓ کی ملاقات اپنے چچازاد بھائی سے ہوئی۔ وہ انہیں اپنے گھر لے گئے اور اپنی پناہ دیتے ہوئے کفار کو نبی اکرم ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ کفار نے کہا کہ وہ تنہا بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں لیکن حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے بغیر طواف نہیں کریں گے۔

وہ لوگ انؓ سے اخلاق سے پیش آئے مگر مسلمانوں کو مکہ آنے دینے پر راضی نہ ہوئے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے لشکر میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ یہ خبر سن کر بہت مغموم ہوئے اور ایک کیکر کے درخت کے نیچے آپ ﷺ نے تمام اصحابؓ سے بیعت لی کہ جب تک ان میں جان ہے قریش سے لڑ کر حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیں گے۔ اسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے۔ قریش میں سے ایک شخص سہیل بن عمرو، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت پس و پیش کے

بعد ان شرائط پر صلح قرار پائی۔

1۔اس سال سب بغیر عمرہ کئے واپس جائیں۔ آئندہ سال آکر عمرہ ادا کریں۔

2۔تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔

3۔دس برس مدت صلح قرار پائی۔

4۔جو حضور ﷺ کا حلیف ہو اس سے قریش نہیں لڑیں گے اور قریش کے حلیف سے آپ ﷺ نہ جنگ کریں گے۔

5۔قریش میں سے جو کوئی مسلمان ہو کر جائے گا، آپ ﷺ اس کو واپس کر دیں گے اور جو کوئی مسلمان مرتد ہو کر قریش میں آجائے وہ واپس نہ دیا جائے گا۔

یہ آخری شرط مسلمانوں کو سخت ناگوار محسوس ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو بہت طیش آیا، خدمتِ عالی میں عرض کی تو آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہماری طرف کا جو مرتد ہو کر اُن سے جا ملے گا وہ ہمارے کس کام کا ہے اور ان کا جو ہم میں آئے گا اگر ہم اس کو واپس کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی صورت بہتری کی فرما دیں گے۔ غرض یہ صلح نامہ مرتب ہوا اور جانبین کی گواہیاں ہوئیں۔

آپ ﷺ نے ہدی کے اونٹ یہیں قربان کر دیئے اور بال مبارک منڈوائے اور مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

ہجرت کا ساتواں سال:

صلح حدیبیہ میں جو شرط طے ہوئی تھی اس کے مطابق صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد ذیعقدہ میں آپ ﷺ عمرۃ القضا کے لئے صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف لے گئے۔

مکہ میں حضرت میمونہ بنت حارثؓ سے نکاح مبارک فرمایا اور تیسرے دن شرط کے مطابق مدینہ منورہ واپس روانہ ہو گئے۔

(بقیہ: صفحہ نمبر:14)

طب

شہد (Honey)

حکیم ملک عبدالماجد اعوان

شہد کو لہسن کے ساتھ ہم وزن استعمال کرنا بچھو کے زہر کو ختم کرتا ہے۔ بالوں پر لگانے سے جوئیں اور لیکھیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اگر چوٹ سے جسم پر نیل کے نشانات بن جائے۔ تو نمک ملا کر بیرونی طور پر استعمال کرنے سے داغ صاف ہو جاتے ہیں۔

شہد کا استعمال جسم میں حرارت غریزیہ کو بڑھاتا ہے۔ جسم میں بعض بیماریوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری کو ختم کرتا ہے۔

شہد کے استعمال سے آنتوں کا ورم تحلیل ہوتا ہے یہ بدن کی رنگت کو نکھارتا ہے پیٹ کے کیڑوں کو مارتا ہے۔ پلاس پاپڑہ کے ساتھ اس کا استعمال اس کی افادیت کو بڑھاتا ہے اور چند دنوں میں ہی پیٹ میں ہر قسم کے کیڑوں کا قلع قمع کرتا ہے۔ سبز قہوہ میں لیموں کے چند قطرے ڈال کر ایک چمچہ شہد ملا کر جسم سے فالتو چربی ختم ہو جاتی ہے اور چند دنوں میں ہی وزن میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ شہد کو پانی میں استعمال کرنے سے جریان ختم ہو جاتا ہے۔ بکری کے دودھ میں بغیر ابالے ہوئے آٹھواں حصہ شہد شامل کر کے استعمال کرنے سے خون صاف ہوتا ہے۔ جدید ریسرچ کے مطابق یہ جسم سے حساسیت یعنی الرجی کو ختم کرتا ہے جس سے پیدا ہونے والی جلدی بیماریاں خاص طور پر اگزیما میں مفید ہے۔ گلو خشک لے کر باریک پیس لیں اس میں شہد ملا کر استعمال کرنے سے قے رک جاتی ہے۔ زمانہ قدیم میں جب علاج کی جدید سہولتیں میسر نہ تھیں۔ تو جب بھی کسی کو جسم پر کوئی زخم ہوتا تو شہد لے کر زخم میں بھر دیتے اور چند ہی دنوں میں زخم ٹھیک ہو جاتا۔ (جاری ہے)

سالکی جیلہ

پرنسپل صقارہ اکیڈمی، دارالعرفان وصاحب مجاز جناب محمد خاں صاحب کا دورہ گوجرانوالہ ڈویژن

عبدالحمید چھینہ، ڈسکہ، ضلع سیالکوٹ

اللہ کریم کا احسان ہے کہ حضرت شیخ المکرم مدظلہٗ العالی اور محترم ناظم اعلیٰ صاحب نے صاحب مجاز جناب ہیڈ ماسٹر محمد خان صاحب کو اپنے نمائندہ بنا کر گوجرانوالہ تبلیغی دورہ پر بھیجا۔

تین دن اور چار راتوں پر مشتمل اس خوبصورت پروگرام کا آغاز جمعرات 10 اپریل 2014 کو بیگووال ضلع، سیالکوٹ میں بعد از نماز مغرب محترم مہمان کے بیان اور ذکر الٰہی کی محفل سے ہوا۔ اس قصبہ میں قبل ازیں حضرت شیخ المکرم مدظلہٗ العالی اور بھائی جان عبدالقدیر اعوان صاحب بھی پروگرام کر چکے ہیں۔ ساتھیوں نے ذکر کے لئے ایک مسجد تعمیر کی ہوئی ہے جس کا انتظام وانصرام بھی ساتھیوں کے سپرد ہے۔ تقریباً 250 مرد اور 100 خواتین نے پروگرام اور محفل ذکر میں شمولیت کی۔ رات کو معزز مہمان ڈسکہ تشریف لائے اور 11 اپریل صبح 10 بجے سیالکوٹ شہر پہنچے۔ عمر ٹاؤن میں پروگرام ہوا جس میں 65 کے قریب خواتین وحضرات محفل ذکر میں شامل ہوئے۔

اس کے بعد مہمان گرامی نے قصبہ ستراہ ضلع سیالکوٹ میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کیا مسجد میں 500 کے قریب نمازی موجود تھے جبکہ نماز کے بعد 70 کے قریب محفل ذکر میں بھی شامل ہوئے۔ اس قصبہ میں حضرت شیخ المکرم مدظلہٗ العالی اور بھائی جان عبدالقدیر صاحب بھی کئی مرتبہ تشریف لا چکے ہیں ستراہ سے واپسی پر دو میل کے فاصلہ پر موضع دھندل میں سلسلہ کے عظیم ساتھی لیفٹیننٹ کرنل (ر) بشیر احمد چوہدری دفن ہیں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ان کے ہاں حاضری دیے بغیر واپسی ہو جاتی چنانچہ اس سرخیل مجاہد صوفی کی قبر پر حاضری ہوئی شاعر کہتا ہے

وہ میرے پاس سے گزرے تو حال تک نہ پوچھا
میں کیسے مانوں وہ دور جا کر روئے

محترم مہمان نے کہا کہ حضرت شیخ المکرم مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ کرنل بشیر احمد اور بریگیڈیئر علی احمد صاحب برزخ میں بھی اعلیٰ مقام پر ہیں۔ اس دوران کرنل سلطان امیر کا ذکر بھی ہوا تو علم میں اضافہ ہوا کہ حضرت شیخ المکرم مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ قرون اولیٰ کے شہدا میں بیٹھتے ہیں۔ تو جماعت کے ان تین سرخیل صوفی مجاہدوں کا یکے بعد دیگرے برزخ میں چلا جانا ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ لیکن یہ اللہ کا نظام ہے۔ بہرحال خوشی اس بات کی ہے کہ وہ یہ بازی جیت کر چلے گئے ہیں، اور ہم ابھی میدان عمل میں ابتلائے آزمائش ہیں۔ کیفیات تو میں تحریر نہیں کر سکتا محبت تو کسی ساتھی سے کم نہیں ہوتی لیکن کرنل بشیر احمد صاحب سے تو مجھے والہانہ محبت ہے جو میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے۔ میرے عظیم شیخ کا یہ عظیم جرنیل شاگرد ساتھی ہے اس پر میں علیحدہ سے لکھوں گا۔

ہم آنسوؤں کی جھری سمیٹ کر صاحب قبر کی خدمت میں حاضری دیکر واپس ڈسکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔۔ ڈسکہ آنے سے پہلے راستے میں ساتھی احسن جمیل کے ہاں بھی بیان اور محفل ذکر کا پروگرام ہوا۔ ڈسکہ دارالعرفان میں کم وبیش 40/50 ساتھی اس محفل ذکر میں شامل ہوئے۔ 12 اپریل کو صبح ساڑھے 8 بجے نارووال کے لئے روانہ ہوئے۔ ہم پہلے چونڈہ پھلورہ پہنچے جہاں پر ایک ساتھی ڈاکٹر غلام عباس

کے گھر پر چائے کا پروگرام تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد چونڈہ کے محاذ پر مشہور ٹینکوں کی جنگ کے نشان دیکھے چوک پر ایک ٹینک کھڑا تھا وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ پسرور شہر 11 بجے کے قریب پہنچے یہاں پر بیان اور محفل ذکر کا پروگرام ہوا جس میں 50 کے قریب ساتھی شریک ہوئے۔ پھر نارووال شہر کے لئے روانہ ہوئے۔ مسجد امین کالونی شہر نارووال میں بیان اور محفل ذکر ہوئی جس میں 50 کے قریب ساتھی شامل ہوئے۔ 3 بجے کے قریب ہم شکر گڑھ کے قصبہ کنجروٹ پہنچے۔ مسجد میں بیان اور محفل ذکر ہوئی۔ جس میں 50 کے قریب مرد حضرات شامل ہوئے اس کے بعد مدرسہ میں خواتین کا پروگرام ہوا۔ 300 کے قریب خواتین پروگرام میں شامل تھیں۔ ضلعی امیر قاری عبدالغفور صاحب کی محنت سے یہ پروگرام ان کے مدرسہ میں ہی ہوا۔ نماز عصر ہم نے نارووال شہر میں پڑھی اور دوپہر کا کھانا مغرب سے پہلے اشرف سلہری صاحب کے گھر کھایا اور واپس ڈسکہ روانہ ہوئے۔ عشا کے بعد دارالعرفان ڈسکہ میں ذکر کی محفل ہوئی۔ صبح تہجد کے بعد بھی ذکر کی محفل سجی۔ عشا اور تہجد کے دوران بعض ساتھی رات بھر ذکر کرتے رہے۔ 13 اپریل صبح 10 بجے ڈسکہ دارالعرفان میں اجتماع ہوا۔ معزز مہمان کا بیان کیفیات او جوش سے پُر تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ نارووال اور چونڈہ کے دورہ پر شہدا کی یاد سے غزوۃ الہند کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ معزز مہمان کے بیان میں غزوۃ الہند کا مدلل تذکرہ ہوا۔ ایک ساتھی کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ چونڈہ کے محاذ پر جنگ کے بعد کھیت وغیرہ ہموار کئے جا رہے تھے کہ ایک کدال چلانے پر زمین کے نیچے سے خون کا خوارہ بہہ نکلا۔ فوجی کی وردی میں شہید کا جسم ملا۔ اس کا حوالہ دے کر مہمان گرامی بیان میں دلیل دے رہے تھے کہ 1965 کی جنگ تو چونڈہ کے محاذ پر ہو رہی تھی لیکن کمانڈر جی ایچ کیو راولپنڈی میں تھا۔ اور وہاں سے محاذ کو کنٹرول کر رہا تھا۔ اسی طرح غزوۃ الہند تو الہند (ہندوستان) میں برپا ہوگا لیکن کمانڈ روضۃ الرسول سے آپ ﷺ کر رہے ہوں گے اور ہم مجاہد محاذوں پر ہوں گے کیفیات سے بھرا ہوا بیان اور اسی طرح محفل ذکر میں 250 کے قریب مرد اور 100 کے قریب خواتین شامل تھیں۔ اس کے بعد نظام پور دارالعرفان میں پروگرام محترم ساتھی عابد کے گھر کے قریب ہوا جس میں بیان اور محفل ذکر ہوئی۔ 3 بجے کے قریب دارالعرفان گوجرانوالہ میں خواتین کا پروگرام تھا۔ بیان اور محفل ذکر ہوئی 500 کے قریب خواتین ذکر کے پروگرام میں شامل ہوئیں۔

بعد نماز مغرب دارالعرفان گوجرانوالہ میں مرد حضرات کا پروگرام ہوا۔ بیان اور محفل ذکر میں 150 کے قریب افراد شامل ہوئے۔ اس خوبصورت پروگرام کے لیے جناب ناظم اعلیٰ صاحب نے خود آنا تھا جس کے لئے پروگرام تشکیل دیا گیا تھا اور اس کی منظوری بھی دی گئی تھی۔ لیکن صوبہ سندھ کا دورہ اس سے اہم تھا اس لیے یہ پروگرام بعد ازیں ہیڈ ماسٹر صاحب نے کیا۔ سیالکوٹ کے امیر سلسلہ صوفی اشرف صاحب، سیالکوٹ کے ذکر کے امیر صوفی بشیر احمد صاحب، پسرور کے امیر ڈاکٹر صاحب، نارووال کے امیر قاری عبدالغفور صاحب، گوجرانوالہ ضلع الاخوان کے امیر محمد یعقوب صاحب اور سلسلہ کے امیر ملک محمد عباس صاحب اور خواتین حلقوں کے صدور کی بہترین کاوش سے دورہ کامیاب ہوا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے تقریباً ہر پروگرام میں انفرادی تربیت کے لئے بھی وقت دیا اور صبح ساڑھے 3 بجے تہجد سے لے کر رات 11 بجے تک بھر پور طریقے سے ساتھیوں کی تربیت کی۔ مجھے تو خوشی ہونا ہی تھی کہ میری ذمہ داری کے حلقہ کا دورہ تھا میں اپنے عظیم شیخ اور ناظم اعلیٰ بھائی ملک عبدالقدیر اعوان صاحب کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو نمائندہ بنا کر اس پروگرام کی تکمیل کے لئے بھیجا۔ اور ہر سطح کے ساتھیوں اور امرا حلقہ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس پروگرام کو کامیاب کرایا ہے۔

(بقیہ: صفحہ نمبر 14)

nearest to you أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ.and I(swt) respond to the prayers and supplications of those who call upon Me(swt). The beneficence of the Court of Allah(swt) is surely committed to answer the supplications of the believers and in fact there is no one else who could answer their prayers and if this Court rejects their supplication nobody would listen to them. You are My(swt) bondmen and I(swt) shall listen to your prayers and requests. The only condition from My(swt) side is فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي ,you too have to answer My(swt) call and obey My-swt commands. Allah(swt) is not bound to anyone for anything, however, those who refuse to follow His(swt) commands do not deserve acceptance in His(swt) Court.

Therefore, while supplicating to Allah(swt) we should first evaluate our devotion towards Him-swt and sadly it is very poor. Many major sins have become so common in our society that they are followed as customs and traditions. A few days ago, a friend was telling me that taking interest or Ribaa' has become so common that fellow servicemen in government institutions lend their money on interest, that is, they take some extra amount when their loan is returned to them. The means of earning a livelihood have shifted towards the forbidden means whereby every body organ is supplied with the blood made of Haraam. How can the supplication of a person, taking interest be answered by the Court of Allah(swt)?,

The Holy Prophet(SAWS)has said that a time will come when even those who do not wish to take interest, will also be affected like those who actually take interest. For example, by the Grace of Almighty(swt),I have never taken or given interest in doing of my business but it is a sad fact that the money which we have deposited in bank accounts is loathed in the effects of Ribaa' since the entire economic, financial and banking system is based in the principles of interest. This means that our money, even if it is deposited in 'current accounts ,'is still affected by the interest based system of the banks. In this way, we are also affected no matter how much we hate to be effected by interest. Similar is the example of our markets and the necessities which we take from there. All the groceries which we buy are backed by the financial system of interest and hence everything carries its effects. In such an environment, which is contaminated by the effects of major sins, how could our supplications be listened to and answered. How could a bird fly towards the heights, when its wings are tied and weights are anchored to its body? (To bo continued)

existence, His-swt Personage and His(swt) attributes are beyond the scope of our knowledge. Our wisdom, our thought processes are creations, while on the contrary He(swt) is the Creator and there is an endless distance between the two. The Creator and his Greatness is beyond the reach of those which are created by Him(swt).Indeed there is only one way through which we can learn to understand His(swt) Greatness and these are the Attributes of Allah(swt), such as, that He(swt) is the The Exceedingly Merciful or Ar-Rahim (الرحیم), The All-Powerful or Al-Qadir (القادر), The Creator or Al-Khaliq,(الخالق)The Sovereign or Al-Malik (المالک), The Provider or Al-Raziq(الرازق)and all other Attributes of Allah-swt and our only teacher for this is the Holy Prophe(SAWS) and we are not allowed to forge His-swt Attributes from our own knowledge. The fundamental requirement for a believer is that Allah(swt) the Most Gracious must be believed in the way taught by the Holy Prophet(SAWS).And once the solemn faith has been attained as taught by the Holy Prophet(SAWS),one must be able to converse with Allah(swt).This means that the highest reward for following in the footsteps of the Holy Prophet(SAWS) and for obedience towards him(SAWS) is that an ordinary bondmen is able to stand in front of Allah-swt and converse with Him(swt),share his own feelings with Him(swt) and state his problems in front of Him(swt).This is the height of the Prophetic blessings upon the believers that the distance between the Creator and a bondmen is covered in a single moment. One of the greatest miracles of the Holy Prophet(SAWS) is that a disbeliever who comes as a seeker is brought right in front of Allah(swt) directed towards Him(swt) as soon as he reads the Kalma-e-Tayyaba. The Holy Prophet(SAWS) has never demanded the believers to adore him(SAWS) in order to reach the Court of Allah(swt).He(SAWS) taught us to become pure bondmen of Allah-swt just like him(SAWS).

The Holy Prophet(SAWS)has instructed not to walk in front of a praying person فَإِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهُ, since he is whispering with his Rabb-swt. This shows the height of the blessings of the Holy Prophet(SAWS) which bring an ordinary human being before the Court of Allah(swt).This is the most gracious favour upon the whole mankind of the Holy Prophet(SAWS),that he unites the bereaved, lost, ignorant and deprived people with their most Gracious Lord(swt),when they accept the true essence of the true faith that he(SAWS) teaches.

It is stated that when you have reached My-swt Court, you have to converse directly with Me-swt, since I(swt) am the

The Objective of Supplication

Translated speech of his eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

From Previous Month 8th December 2013

So it is a fact that the disbelievers also accept the existence of Allah(swt), however, they believe in Him(swt) according to their own wishes. Some believe that the Universe was created by Allah(swt) and then He(swt) handed over its administration to the idols and gods, while others are convinced that the Universe is being run by the will of the pious people (among their forefathers) and worshipping them will help in realizing their true wishes. Some disbelievers even labelled a Prophet(AS) as the son of Allah(swt), who was sent to work for mankind's interests and then Allah(swt) punished His(swt) son for the sins of the believers, so that the believers could be saved from Hell .These ideas belong to the self-created belief systems of various groups of the disbelievers. Allah(swt) the most Gracious has stated that these are not the beliefs which are pure. Instead for those who inquire about Me(swt); وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي, they have to seek guidance from You(SAWS) only. This is the reason why the scholars of Islam have emphasized, that whenever a Muslim child be taught about Allah(swt)'s existence and His(swt) attributes, the guidelines of Sunnah must be followed strictly. The child should only be taught in the way as the Holy Prophet(SAWS) has taught. This also includes the exact introduction of the Holy ProphetSAWS). The instruction should include the specific remarks, that we believe in Allah(swt) the most Gracious, as has been taught by Hazrat Muhammad(SAWS) the son of Abdullah, who was born in Makkah and then migrated to Madinah. Beliefs which are self-crafted have no value in the Court of Allah(swt).This is the essence why the verse addresses the Holy Prophet(SAWS) وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي ,whoever asks You(SAWS) about Me(swt) ;which means whoever wishes to know about Me(swt) must ask the Holy Prophet(SAWS) for guidance. This is because our questions about Allah(swt) could only be answered by the Holy Prophet(SAWS) and we cannot fathom His(swt) Greatness with our little knowledge. Hence discussing the reality of the Personage of Allah(swt) is forbidden in Shariah as His(swt)

Colonel Muhammad Hassan, Major Rasheed, Captain Hashim Baloch,and Lieutenant Aman Shah as Sahib-e Majaz. Lieutenant Aman Shah belonged to a Pir family of Kohat, and previously two members of this family had already presented themselves before Hazrat Ji rua, but the good fortune of serving the Silsilah went to Aman Shah.

Camp 54was the largest in Sagar, housing more than 300officers. In this camp Captain Ali was given the responsibility of delivering a daily lecture from the Quran, and for this purpose 17sets of 'Tafheem ul Quran' were procured. When the class was nearing completion, a realisation dawned upon Captain Ali that despite in-depth learning and teaching, there still existed a void in his heart. Although these literary activities lend polish to the intellect, yet they provide no remedy for the malady of hearts. At this point, a copy of Hazrat Imam Ghazali's Alchemy of Eternal Bliss (Kiymiya-e S'aadat) came into his hands and this void appeared to be filling. Once, the topic of Tasawwuf came under discussion and a Naval officer, Lieutenant Nazeer, mentioned that in Pakistan a pious, holy person Hazrat Allah Yar Khan had written a book on the topic of Tasawwuf titled 'Dalael us Sulook' and that he imparts spiritual training to people, through Zikr Allah.

'How is this Zikr done'

Nazeer Sahib had attended a few of Hazrat Ji rua's Zikr assemblies. He explained the method of Zikr, the Lata'if and the sequence of the Maraqbaat up to Masjid-e Nabvi saws. After explaining everything theoretically he gave a practical demonstration. Thereafter, the lesson needed to be followed practically, but when Nazeer Sahib was requested to conduct Zikr, he declined saying he did not have the capability, and that they should do it on their own. A few officers got together and started doing Zikr. This was a weak imitation of doing the Lata'if, Maraqbaat and the Maraqbah of Masjid-e Nabvi saws, but the imitation pleased Allah swt, and they started experiencing spiritual feelings. These officers of Camp 54 knew only this much, that there was a saint of high eminence in Pakistan, by the name of Allah Yar Khan, who taught the Zikr of Allah swt and conducted the Lata'if and Maraqbaat such were their names and this was roughly the method of doing Zikr.

Indeed, Allah swt is the Granter of (all(bounties. It was within His Power to convey the beneficence of Hazrat Ji rua to them, which reached them through the Owaisi way and how abundantly it reached them! Its greatest indication being that they received constancy in Zikr, and its effects began to display themselves.

When they arrived back in Pakistan, not knowing where to find Hazrat Ji rau, they could not present themselves before him immediately like the Zakireen of Camp 93,but soon Allah swt provided them the opportunity, and one by one they came to meet him. (To be Continued)

The easiest method to develop love with the Holy Prophet (SAWS) is to study His(SAWS) noble biography.

(Al-Sheikh Maulana Ameer Muhammad Akram Awan MZA)

entities. If anybody is admitted to the Court of the Holy Prophet saws and he does not abide by the Prophetic Sunnah, then his admittance there is not on his personal merit but on the merit of the one who takes him there. However, not adhering to the Sunnah will not endear him to the Holy Qalb of the Messenger saws of Allah swt.

Do not take this world as your permanent abode. Your permanent abode is either Heaven or Hell. Remember, while in the world, you are constructing a house either in Heaven or Hell.

Protect/ restrain your tongue from excessive conversation, from obscene or improper speech.

Those of you, who have missed their Salah, should offer its Qaza.

In one of his letters, Hazrat Ji rau gave a comprehensive definition of the term 'Muslim ,which had not been known earlier.

'You are Muslims, have been born in Muslim families and are the descendants of Muslims, but remember that'Muslim' is not the name of any nation or country.'Muslim' is an attribute, and whoever possesses it, is a Muslim.'

How much love Hazrat Ji rau had for these Prisoners of War in India, is demonstrated in his several letters.

'My heart is longing to see you. How can someone who has so many of his children in prison, live life in peace'

'Tell me how can someone with so many of his children imprisoned have any peace You are in the minds of the whole Jama'at, especially the Masha'ikh in Barzakh, but nothing is in our control. This issue could have been solved provided there had been someone to solve it.'

From Hazrat Ji rau's letter it is evident that the protracted delay in the release of the Prisoners of War was due to the lack of sincere resolve among those in authority. This statement of Hazrat Ji rau corroborates the common opinion that the Bhutto government also had a hand in the delay of their release.

In one of his letters, Hazrat Ji rau wrote,

I personally pray for you, but as you know the D'ua of the Prophets was(at times) not answered what am I, what is the status of a Wali It is never far from Allah swt to dispense Mercy and Grace'.O Allah! Have Mercy and release them. Ameen.'

On their arrival in Pakistan, when some of the Ahbab presented themselves before Hazrat Ji rua in Chakrala in May 1974 ,Hazrat Ji rua told them',Allah swt has granted me three distinctions:

1 . He has granted me very high stations along with high spiritual rank (offices)

2 . In (the matter of) spiritual beneficence I have been graced with the excellence that, if I direct a Rooh to keep advancing, it will continue to advance and if I command a Rooh to stop, it will stop forthwith.

3 .Whoever connects with me will not remain poor. He will be enriched by the Grace of Allah swt.

In July 1974 ,when the Jama'at of Zakireen of Camp 93 presented themselves collectively before Hazrat Ji rua, he was very pleased to see so many officers sporting beards according to the Sunnah. Hazrat Ji rua conducted them to the Maraqbaat, and their Roohani Bai'at was renewed. Among these Ahbab, Hazrat Ji rua appointed Colonel Matloob Husain,

Hayat-e-Javidan Chapter 21

A Life Eternal(Translation)

FromPreviousMonth

Addressed to Aman Shah

Now, you have associated with the Silsilah and became a member of the Jama'at that the world refers to as the Arifeen, Aulia Allah. This is that great blessing that the monarchs of this world longed for and pined after, and left this world with regret. Mahmud Ghaznavi went from Kabul to Kharqan to present himself before Hazrat Abul Hassan Kharqani rua, who gave him some stale barley bread to eat, which he swallowed with difficulty but ate it because of respect. Eventually, he returned with the gift of a worn out shirt and considered it the most precious of all his possessions. My dears! The world is impermanent and transient, and a Wali Allah needs only Allah swt. Therefore, carry on whatever work or service you are employed in, but do not forget Allah swt. My dear! This punishment you are undergoing is due to your elders having forgotten Allah swt. Offer your Salah regularly, do Zikr consistently and do not abandon your Tahajjad Nawafil. Let your heart and tongue remain busy in the remembrance of Allah swt.

Some Excerpts from Letters

'Become special servants of Allah swt, so much so that nothing distracts you from Him. My last advice to you is that you should hold on firmly to the beliefs of Ahl-e Sunnah wal Jama'at. Strictly observe Salah, do Zikr consistently even when you die, you should be doing Zikr Allah. Remember, you established a connection with the dwellers of Barzakh. You developed a similarity with the angels, and you communicated with the Arwah (pl. of Rooh, Spirits) and all this was granted when you purified yourselves spiritually. In this ungodly era you were granted admission into the Exalted Court of the Holy Prophet saws. Your Masha'ikh, by the Grace of Allah swt, took you out of this world and made you enter the world of Barzakh, which is Qiyamat-e Sughra (Lesser Resurrection).If I live that long I shall take you, while still in this world, and show you all of Jannah. My sons! All these blessings and marvels are the result of Zikr and following the Shari'ah. Remember, if you abandon the Zikr of Allah swt, all these excellences will be taken away from you.

Pursue your careers and do your work dutifully, otherwise your earnings will not be Halaal, but at the same time, do not forget Allah swt or lose the love of the Holy Prophet saws. Remember all doors of excellences (Kamalaat) have been shut except the door of adherence to the Holy Prophet Muhammad saws.

Remember, that it is the statement of ignorant Faqirs, that Faqiri (Tasawwuf) and Shari'ah are separate

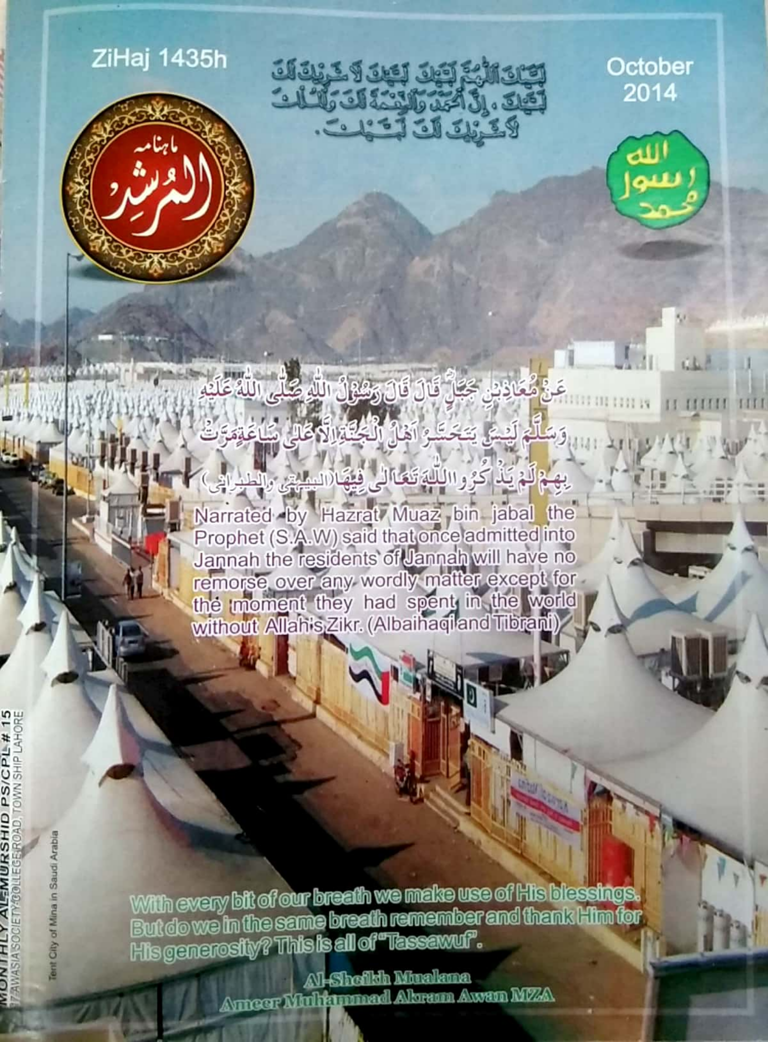
ZiHaj 1435h
October 2014
لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ
لَبَّيْكَ ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ
لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ.
ماہنامہ
المرشد
محمد رسول اللہ
عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ
بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهَا (البیہقی والطبرانی)
Narrated by Hazrat Muaz bin jabal the Prophet (S.A.W) said that once admitted into Jannah the residents of Jannah will have no remorse over any wordly matter except for the moment they had spent in the world without Allah's Zikr. (Albaihaqi and Tibrani)
With every bit of our breath we make use of His blessings. But do we in the same breath remember and thank Him for His generosity? This is all of "Tassawuf".
Al-Sheikh Mualana
Ameer Muhammad Akram Awan MZA
MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWASIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE
Tent City of Mina in Saudi Arabia

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255